اکابر دیوبند، بالخصوص شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی
کے افکار و نظریات کا بے باک ترجمان

مجلّہ صفدر گجرات

بفیضان
قائد اہل سنت وکیل صحابہ مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ

بیاد
امام اہل سنت حضرۃ مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ
شیخ المشائخ، امام الاولیاء مولانا خواجہ خان محمد رحمہ اللہ
مفسر قرآن مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی رحمہ اللہ
فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ
ترجمان اہل سنت حضرۃ مولانا نذیر اللہ خان رحمہ اللہ
فخر اہل سنت حضرت مولانا عبداللطیف جہلمی رحمہ اللہ
شہید اسلام حضرۃ مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ
امین ملت حضرۃ مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ
پاسبان مسلک احناف، شیخ الحدیث مولانا محمد حنیف رحمہ اللہ
وکیل صحابہ حضرۃ مولانا علامہ علی شیر حیدری شہید رحمہ اللہ
محقق اہل سنت مولانا سعید احمد جلالپوری شہید رحمہ اللہ

بدعا
وکیل صحابہ حضرت مولانا علامہ عبدالستار تونسوی رحمہ اللہ
حکیم العصر حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی مدظلہ

زیر سرپرستی
جانشین قائد اہل سنت مولانا حبیب الرحمٰن سومرو مدظلہ
جانشین فقیہ العصر مولانا مفتی عبدالقدوس ترمذی مدظلہ
امام الصرف والنحو، نمونہ اسلاف مولانا محمد حسن مدظلہ
جانشین شیخ المشائخ حضرت مولانا خواجہ خلیل احمد مدظلہ

زیر نگرانی
جانشین امین ملت مولانا مفتی محمد انور اوکاڑوی مدظلہ

مجلس مشاورت
مولانا فضل الرحمٰن دھرم کوٹی — مولانا منظور احمد نعمانی
مولانا نور محمد تونسوی...... — مولانا قاری عبدالرحمٰن ضیاء
مولانا مفتی جمیل الرحمٰن...... — مولانا محمد اعجاز مصطفی
جناب اشتیاق احمد...... — مولانا مفتی رب نواز
مولانا ندیم الرشید...... — مولانا احمد طاہر

مدیر اعلیٰ: مولانا جمیل الرحمٰن عباسی۔ بہاولپور
مدیر مسئول: احسن خدامی 0333-8765602
مدیر: حمزہ احسانی 0307-5687800

فی شمارہ: 20......زر سالانہ: 240 روپے

ترتیب

برائے ترسیلِ زر، اجراءِ رسالہ وخط وکتابت
مولانا احسن خدامی صاحب، مکان نمبر 4، گلی نمبر 82
محمود سٹریٹ، محلّہ سردار پورہ، اچھرہ، لاہور

انجم نیازی

نعت

عقیدت کے پسِ پردہ یہ مستانہ روی کیسی؟
ادب کی بارگہ میں جاہلوں سی بے خودی کیسی؟
جہاں سارے فرشتے سر جھکا کر بات کرتے ہیں
وہاں سازوں کی دُھن پر اجتماعی راگنی کیسی؟
مجھے تسلیم اُن کے دِل محبت سے ہیں بے قابو
مگر یہ چیخنا کیسا مگر نعرہ زنی کیسی؟
ادب ملحوظ ہو جن کو لبوں کو بند رکھتے ہیں
انھیں اُن ﷺ سے محبت ہے تو شوریدہ سری کیسی؟
اگر **لاترفعوا اصواتکم** پر ہے یقیں اُن کو
تو پھر بدمستیاں کیسی تو پھر بے ہُودگی کیسی؟
محبت اور عقیدت میں نمائش کا ہے کیا مطلب؟
محبت اور عقیدت میں کھُلی پیشہ وری کیسی؟
نبیؐ سے گر محبت ہے نبیؐ سے گر عقیدت ہے
تو اُس کے دوستوں کے دشمنوں سے دوستی کیسی؟
وہاں تو ہر کسی کو ہوش ہی میں رہنا پڑتا ہے
وہاں بے ہوشیاں کیسی وہاں آوارگی کیسی؟
اُنہیں پُرنُور گنبد کا اگر ہے احترام انجم
تو پھر بے نُور حجروں کی یہ بھونڈی پیروی کیسی؟

پیامِ صفدر — حمزہ احسانی

آیا یاد زمانہ قاضی رحمہ اللہ کا

☆......جامعہ مظہریہ حسینیہ کی تقریب ختم بخاری کا آنکھوں دیکھا حال......☆

۲۰۰۶ء میں شیخ الاسلام، شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ اور اُن کے عظیم خلیفہ و تلمیذِ رشید قائد اہل سنت وکیل صحابہؓ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کی یاد میں ملکِ عزیز پاکستان کے صوبہ سندھ کے ایک گاؤں ''جنھان سومرو''، تحصیل شاہ کریم، ضلع ٹنڈو محمد خان، حیدر آباد میں ''**جامعہ مظہریہ حسینیہ**'' کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا گیا، جس کا بنیادی مقصد قرآن وسنت کی تعلیمات......فقہ حنفی کی تشریحات......اور ''تحریک خدام اہل السنۃ والجماعۃ'' کے مسلکی ونظریاتی منشور کے مطابق اہل السنۃ والجماعۃ احناف علماء دیوبند کے عقائد وافکار......کی اشاعت وحفاظت ہے، اس جامعہ میں بحمد اللہ تعالیٰ قرآن کریم حفظ وناظرہ کے ساتھ ساتھ دورۂ حدیث تک درس نظامی کی تعلیم دی جاتی ہے۔

طلباء کرام کی تعلیم وتربیت بالخصوص عقائد وافکار کے حوالے سے مضبوط ذہن سازی کی طرف خصوصی توجہ دی جاتی ہے تاکہ وہ دینِ اسلام کی حقیقی روح سے آشنا ہوکر اس کی اشاعت وحفاظت اور غلبہ کے لیے میدانِ عمل میں اُتر سکیں۔ اور بحمد اللہ تعالیٰ اس محنت کے بہت عمدہ اور حوصلہ افزا نتائج سامنے آرہے ہیں۔ یہ جامعہ اپنے بانی ومدیر، حضرت قائد اہل سنتؒ کے خلیفۂ مُجاز شیخ الحدیث حضرت مولانا حبیب الرحمٰن سومرو مدظلہم کی سرپرستی، نگرانی اور اہتمام وانتظام میں ترقی کی طرف گامزن ہے۔ دعا ہے کہ خدا تعالیٰ اس جامعہ کو دن دوگنی رات چوگنی ترقی نصیب فرمائے اور تاقیامت اس کا فیض جاری وساری رہے۔ آمین۔ بجاہ النبی الکریم، صلی اللہ علیہ وسلم

مؤرخہ 2 جون بروز اتوار ''جامعہ مظہریہ حسینیہ'' کی تقریب ''ختم بخاری شریف'' میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی۔ بچپن میں ہم حضرت نانا جی (قائد اہل سنت) رحمہ اللہ اور حضرت جہلمی (فخر اہل سنت مولانا عبداللطیف خان جہلمی) رحمہ اللہ کی موجودگی میں ہونے والے ''تحریک خدام اہل السنۃ والجماعۃ'' کے مرکزی اجتماعات ''رحمۃ للعالمین کانفرنس، مدنی مسجد چکوال''......''سنی کانفرنس، بھیں''......اور ''جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام، جہلم'' کے ''سالانہ جلسے'' میں جو پُرکیف روحانی، نورانی اور پُرلطف منظر دیکھا کرتے تھے، اُس

کی یاد تازہ ہوگئی، وہی ''سنی پرچم''، ''سنی قافلہ''، ''سنی نوجوان''، ''سنی نعرے'' اور ''خالص سنی ماحول''۔

ختم بخاری کے خوبصورت، دلکش اور جاذب نظر اشتہار کی پیشانی پر حضرت نانا جی رحمہ اللہ کا نمایاں نام، بائیں جانب خدام کا مشن، اور اس سے متصل پانچ دھاری ''سنی پرچم'' اور اشتہار کے وسط میں حضرت شیخ سومرو مدظلہم کا روشن وچمکتا نام سنی عوام کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور قلبی مسرت کا سامان تھے۔ حضرت شیخ مدظلہم کے نام سے اوپر بائیں جانب مہمان خصوصی کے طور پر چکوال سے تشریف لانے والے حضرت نانا جی رحمہ اللہ کے خلیفہ ومعتمد خاص، جامعہ عربیہ اظہار الاسلام کے مہتمم شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی جمیل الرحمٰن مدظلہم کا نام نامی حضرت شیخ مدظلہم کی اُن سے اور اُن کی حضرت سے عقیدت وتعلق کا بین ثبوت پیش کر رہا تھا۔

31 مئی بروز جمعۃ المبارک شام 6 بجے قراقرم ایکسپریس لاہور کے ذریعہ روانہ ہونے والے ''سنی قافلہ'' کی قیادت بھی حضرت مفتی صاحب مدظلہم ہی فرما رہے تھے، اس قافلہ میں، چکوال، اسلام آباد، گجرات، لاہور، تلہ گنگ اور دیگر مقامات سے تشریف لانے والے معزز مہمانان گرامی شامل تھے، جن میں حضرت مفتی صاحب مدظلہم، مولانا نور محمد آصف مدظلہم، حضرت ڈاکٹر سعید صاحب مدظلہم [خلیفہ مجاز: حضرت شیخ سومرو مدظلہم] اور مولانا زاہد حسین رشیدی سرفہرست تھے۔ یہ ''سنی قافلہ'' یکم جون بروز ہفتہ دن گیارہ بجے حیدر آباد ریلوے اسٹیشن پر اترا، جہان سومرو سے حضرت شیخ مدظلہم بذات خود استقبال کے لیے تقریباً ستر (۷۰) کلومیٹر کا سفر طے فرما کر حیدر آباد تشریف لے گئے، اور مہمانوں کو اپنے ہمراہ لے کر روانہ ہوئے، ٹنڈو محمد خان شہر سے گزرنے کے بعد مختلف مقامات پر ''سنی عوام'' نے ''سنی قافلہ'' کا پُرجوش استقبال کیا۔ سنی پرچموں کے سائے اور نعرۂ تکبیر اللہ اکبر، شان رسالت زندہ باد، شان صحابہ زندہ باد، خلافت راشدہ حق چار یار کے فلک شگاف نعروں کی گونج میں پھولوں کی پتیاں نچھاور کرتے سینکڑوں سنی نوجوان جہان سومرو سے بارہ (۱۲) کلو میٹر کے فاصلہ پر ''آباد گار فارم'' سے ''سنی قافلہ'' کو لے کر منزل مقصود کی طرف رواں دواں ہوئے تو مجھے حضرت نانا جی رحمہ اللہ کی معیت میں جہلم وچکوال کے ''سنی قافلوں'' کا منظر یاد آ گیا۔ گاؤں کے قریب مین روڈ کے سٹاپ ''دتاوا'' میں بھی بھرپور استقبال ہوا، پھر گاؤں پہنچتے ہی زبردست استقبال کیا گیا۔ ''سنی قافلہ'' سیدھا ''جامعہ مظہریہ حسینیہ'' پہنچا، احباب سے مصافحہ ومعانقہ ہوا، چند منٹ وقفے کے بعد تمام مہمانوں کو مدرسہ سے قریب ایک مکان (مہمان خانہ) میں منتقل کر دیا گیا۔

دن بھر پروگرام کی تیاریاں عروج پر رہیں، رات کو مدرسہ کے وسیع وعریض گراؤنڈ میں پنڈال تیار کیا گیا، دوسرے روز یعنی 2 جون بروز اتوار کو علی الصبح اسٹیج کی تزیین کا کام شروع ہوا تو مجھے شدت سے پھر نانا جی رحمہ اللہ یاد آنے لگے، اسٹیج کی عقبی جانب قد آور سنی پرچم، دائیں بائیں سنی پرچموں والے بینروں اور پینا

فلیکسز پر خدام کے سنی مشن کی علامات، اسٹیج کے بیچوں بیچ شامیانے کے لیے لگائے بانس پر دوطرفہ ''سنی پرچم'' اور پنڈال کے گرد لگائی گئی قناتوں پر سنی عقائد وافکار کی نشاندہی کرتے خوبصورت بینرز، حضرت نانا جی رحمہ اللہ کے قیمتی ملفوظات وفرامین پر مشتمل پینافلیکسز خالص سنی ماحول پیش کررہے تھے۔

پونے گیارہ بجے قرآن پاک کی تلاوت کے ساتھ تقریب کا باقاعدہ آغاز ہوا، حمد ونعت پڑھی گئی، اتنے میں استاذِ محترم شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا منظور احمد نعمانی مدظلہم کی آمد کی اطلاع ملی تو استقبال کے لیے حضرت شیخ مدظلہم خود ''دتاوا'' تشریف لے گئے، استاذِ محترم مہمان خانہ میں تشریف فرما ہوئے، علماء، طلباء اور مہمانوں نے زیارت وملاقات کا شرف حاصل کیا۔ پھر حضرت شیخ مدظلہم استاذِ محترم کو لے کر جلسہ گاہ پہنچے، حضرت مولانا عبدالصمد آف حیدرآباد کا بیان جاری تھا، حضرت نعمانی مدظلہم وحضرت شیخ مدظلہم کو دیکھتے ہی انہوں نے بیان ختم کردیا۔ نقابت کے فرائض مولانا عامر محمود صاحب سرانجام دے رہے تھے۔ حضرت شیخ کے حکم پر برادرِ مکرم مولانا احسن خدامی نے سامعین کو حضرت الاستاذ نعمانی صاحب مدظلہم کا تعارف کرایا اور اُن کو خوش آمدید کہتے ہوئے دعوتِ خطاب دی۔ حضرت نعمانی صاحب مدظلہم نے انتہائی خوشی کا اظہار فرمایا اور فرمایا: مجھے یہاں آنے کا بہت شوق تھا، بحمداللہ آج اللہ تعالیٰ نے پہنچادیا، اور الحمدللہ یہاں آکر بہت خوشی محسوس کررہا ہوں۔ دُور دُور سے مہمان تشریف لائے ہیں۔ وہ آپ سے خطاب کریں گے، میں تو بس اتنا عرض کرتا ہوں کہ: اللہ کی محبت پیدا کریں اور اللہ والوں کی صحبت کو لازم پکڑیں۔ انگریزی تعلیم کو گدھے کی سواری کے درجے میں رکھیں۔ جیسے گدھا گھریلو ضروریات کے لیے رکھا جاتا ہے، لیکن اس سے محبت نہیں کی جاتی، اس کی عظمت دل میں نہیں بٹھائی جاتی، اسی طرح انگریزی تعلیم جو حاصل کرے فقط ضرورت سمجھ کر حاصل کرے، اس سے محبت نہ کرے، اس کی عظمت دل میں نہ بٹھائے اور مرعوب نہ ہو۔ اردو زبان بولتے وقت انگریزی محاورات کا استعمال بہت قبیح اور قابل ترک عمل ہے۔ اور ہم لوگ قرآن وحدیث کو چھوڑ کر اگر انگریزی کی طرف توجہ کریں تو یہ مٹھائی چھوڑ کر بھوسہ کھانے والی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی محبت اور اہل اللہ سے مضبوط تعلق نصیب فرمائے۔ مزید فرمایا کہ: آج بعض لوگ حدیث کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں صرف قرآن کافی ہے، میں کہتا ہوں کہ قرآن کے حق اور سچ ہونے کی دلیل بھی حدیث ہے، کیونکہ قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی سنایا، اور صحابہ نے نقل کیا، ہم پر تو نازل نہیں ہوا۔ اللہ سمجھ عطا فرمائے۔ آمین۔ حضرت نعمانی صاحب مدظلہم کے بیان کے دوران حضرت شیخ اُن کے قدموں میں بیٹھے سر جھکائے آنسو بہاتے رہے۔

حضرت نعمانی صاحب مدظلہم بیان کے فوراً بعد اگلے سفر پر روانہ ہوگئے، ان کے بعد ٹمن سے تشریف لانے والے تحریک خدام اہل سنت کے مبلغ حضرت مولانا نور محمد آصف مدظلہم نے خدام کے مشن

واہداف پر روشنی ڈالی۔اور سمجھایا کہ حضرت قائداہل سنت رحمہ اللہ نے عقیدہ توحید کے اظہار اور ''یارسول اللہ مدد، یاعلی مدد'' کے شرکیہ نعروں کے مقابلہ میں ''یااللہ مدد'' ......اور شان رسالت وعظمتِ صحابہ کے لیے دیگر نعروں کو رواج دیا۔...... جب ملک عزیز پاکستان میں ایک فرقہ نے کلمہ اسلام ''لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' میں ''علی ولی الله، وصی رسول الله وخلیفته بلا فصل'' کا اضافہ کیا تو اس کے تریاق کے لیے حضرت قائداہل سنتؒ نے ''اصلی کلمہ اسلام'' کے طور پر ''لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' متعارف کرا کے ان کا ناطقہ بند کیا۔ ایک فرقہ نے خلفائے ثلاثہ کا انکار کردیا، اور دوسرے فرقہ نے خلیفہ رابع کو اسلام سے خارج قرار دے دیا، اور بعض نام نہاد اسلامی سکالروں نے سیدنا عثمانؓ پر الزامات کی بوچھاڑ کر کے ان کو خلافت کے لیے نااہل قرار دینے کی کوشش کی تو ان سب کے مقابلہ کے لیے حضرت اقدسؒ نے ''خلافت راشدہ، حق چار یار'' کے نعرے پر زور دیا۔ اور ہر مقام ہر موقع پر اس عقیدے کو خوب وضاحت سے سمجھایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر ہر صحابی حق بلکہ معیارِ حق اور قطعی جنتی ہے، لیکن قرآنی وعدہ خلافت کے مصداق یہی چار یار ہیں۔

مولانا نور محمد آصف مدظلہم کا بیان ختم ہوا تو حضرت شیخ کے حکم پر نقابت کی ذمہ داری مولانا حافظ زاہد حسین رشیدی نے سنبھال لی۔ گرمی اپنے عروج پر تھی، ٹھیک دوپہر کا وقت تھا، وسیع وعریض پنڈال مجمع کی زیادتی کی بنا پر مزید وسیع کرنے کے باوجود تنگ دامنی کا شکوہ کررہا تھا، سخت اور شدید گرمی کے باوجود سنی عوام پورے انہماک اور توجہ سے علماء کے بیانات سن رہے تھے، اور بلا مبالغہ سینکڑوں لوگ پنڈال سے باہر کھڑے بیانات کی طرف متوجہ تھے۔ اور لطف کی بات یہ کہ پہلے نقیب ''سندھی'' اور دوسرے ''اردو'' میں اعلانات کرتے رہے، اسی طرح بعض بیانات سندھی میں اور بعض اردو میں ہوئے، بہت سے لوگ دونوں زبانوں سے واقفیت اور آشنائی کی بنا پر دونوں قسم کے اعلانات وبیانات سے پوری طرح لطف اندوز ومستفید ہورہے تھے، لیکن ایک بڑی تعداد ایسی بھی تھی جو سندھی زبان سے ناواقف تھی اور ایک کثیر تعداد اردو سے نابلد، لیکن اس کے باوجود سب کے سب (کلھم) یکساں توجہ اور انہماک سے تمام اعلانات وبیانات سماع فرمارہے تھے، کسی بھی چہرہ پر بیزاری اور اکتاہٹ کے آثار کم از کم اس خادم کو نظر نہیں آئے۔ بلکہ بعض خالص اردو خواں حضرات کو اردو بیانات کی بنسبت سندھی بیانات زیادہ توجہ سے سنتے بھی دیکھا۔ لله الحمد وله الشكر۔

مولانا نور محمد آصف کے بعد مبلغ اسلام مولانا ظہور احمد کا سندھی میں پُرلطف بیان ہوا، بیان بالکل عام فہم اور سادہ مگر دل نشین انداز میں تھا جو زبان سے ناواقفیت کے باوجود ناچیز خادم بھی سمجھ رہا تھا، فرمایا: آج دنیا کا ہر انسان پریشان ہے، ہر بندہ غمگین اور ہر آدمی ناخوش، ہر ایک بیسیوں نہیں سیکڑوں مسائل کا شکار ہے، لیکن افسوس اور تعجب ہے کہ ان مسائل کے حل کی طرف کسی کی توجہ نہیں، جن چیزوں میں اللہ نے ان مسائل کا

حل رکھا ہے، اُن کو اختیار کرنے کے لیے کوئی بھی تیار نہیں، اور جن چیزوں میں ان کا کوئی حل موجود نہیں ان کے پیچھے سب بھاگ رہے ہیں، مال ودولت، کرسی وعہدہ، نام ونمود اور وزارت وصدارت کے حصول کے لیے ہم نے دن رات ایک کر رکھا ہے، حالانکہ ان میں نہ سکون ہے نہ اطمینان، نہ دنیا کی کامیابی ہے نہ آخرت کی، دنیا وآخرت کی تمام تر کامیابیاں جناب نبی کریم صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے طریقوں اور صحابہ کرام کے نقش قدم پر چلنے میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ توفیق عمل نصیب فرمائے۔ آمین

مولانا ظہور احمد کے بعد چکوال سے تشریف لائے ہوئے اس تقریب کے مہمان خصوصی شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی جمیل الرحمٰن مدظلہم کا بیان شروع ہوا۔ حضرت نے فرمایا: قرآن پاک کے پارہ نمبر ۲۶ کی سورۃ الفتح کی آخری آیت کے اندر ایک دعویٰ ہے اور ایک دلیل ہے۔ اسی کی کچھ تشریح پیش خدمت ہے۔ دعویٰ ہے: محمد رسول الله۔ حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ آگے اس کی دلیل ہے۔ اس کو سمجھنے سے پہلے تمہیداً ایک بات سمجھ لیں کہ دعویٰ کی دلیل دو طرح سے ہوتی ہے، مثلاً میں دعویٰ کرتا ہوں کہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ بہت بڑے عالم تھے۔ اب اس دعوے کی دلیل کے دو انداز ہیں، ایک یہ کہ میں خود حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی عالمانہ صفات وکمالات بیان کروں اور ان کو ثابت کروں۔ اور دوسرا انداز یہ ہے کہ میں حضرت شیخ الہند کے تلامذہ کی عالمانہ صفات وکمالات بیان کر کے کہوں کہ: جب حضرت شیخ الہند کے تلامذہ کے علم وکمال کا یہ عالم ہے تو حضرت کا علم کس قدر ہوگا؟ اس کا اندازہ تلامذہ سے لگا لیا جائے۔ بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ نے دعویٰ تو فرمایا کہ: محمد اللہ کے رسول ہیں، لیکن دلیل کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات نبوت وکمالات رسالت کو بیان فرمانے کی بجائے آپ کی تیار کردہ جماعت حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی صفات بیان فرما دیں، کہ جب آپ ؐ کے تلامذہ ایسی ایسی صفات کا مالک ہیں تو خود آپ کا عالم کیا ہوگا؟

صحابہ کرام کی ان صفات میں سب سے پہلے ''معیت'' کو بیان فرمایا۔ آج کوئی شخص اپنے مرشد کے ہمراہ پڑھی ہوئی نماز کو بڑا پُر لطف بتاتا ہے، کوئی اپنے شیخ کے ساتھ کیے گئے ذکر کو بڑا مؤثر کہتا ہے، کوئی اپنے بزرگ کی معیت میں حج کی سعادت ملنے پر شکر ادا کرتا نظر آتا ہے، کوئی اپنے پیر کے ہمراہ اعتکاف پر نازاں ہوتا ہے، کوئی اپنے استاذ کی معیت میں قرآن کی تلاوت اور علم کے مباحثہ پر فخر کرتا ہے۔ یہ سب بجا، لیکن قرآن ہمیں یہ تصور دیتا ہے کہ حضور کے ساتھ نماز پڑھنے والے، ذکر کرنے والے، حج کی سعادت پانے والے، دیگر تمام عبادات میں حضور کی معیت پانے والے کس قدر خوش نصیب ہوں گے؟

دوسری صفت بیان فرمائی: اشداء علی الکفار۔ صحابہ کرام کفار کے بارے میں بہت سخت ہیں۔

بظاہر اگرچہ صلح حدیبیہ کے موقع پر وہ کمزور نظر آ رہے ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ سخت نہیں، وہ کفار پر بڑے سخت ہیں، یہ تو رسول کے حکم کے آگے سرِ تسلیم خم ہے۔ ورنہ اپنے موقف کا اظہار تو حضرت عمرؓ نے اسی وقت کر دیا تھا۔ کہ یارسول اللہ! کیا ہم حق پر نہیں؟ اگر ہم حق پر ہیں تو ہم دب کر کیوں صلح کریں؟ آپؐ نے فرمایا: میں اللہ کا رسول ہوں۔ (میری بات مانو)۔

وقت کی قلت کی بنا پر حضرت مفتی صاحب کو اپنا بیان درمیان میں روکنا پڑا۔ آپ کے بیان کے بعد لاہور سے تشریف لائے ہوئے مہمان جناب حافظ محمد قاسم گجر صاحب نے ''حق چار یار'' ترانہ پیش کیا۔ بعد ازاں جامعہ مظہریہ کے استاذ حضرت مولانا مفتی محمود صاحب نے سندھی میں مدرسہ کا تعارف کرایا۔ اس کے بعد حضرت شیخ کے حکم پر ایک مرتبہ پھر سامعین سے مزید سمٹ کر بیٹھنے اور باہر کھڑے حضرات کو جگہ دینے کی گزارش کی گئی، سامعین نے بھی کمال اطاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے تپتی دوپہر اور کڑکتی دھوپ کی گرمی کے باوجود آگے آگے ہو کر باہر والے حضرات کو جگہ دی، بہت سے لوگ اس جگہ میں سما گئے، لیکن اس کے باوجود باہر کھڑے حضرات کی تعداد سینکڑوں میں تھی۔ الغرض مجمع کی تعداد منتظمین کے اندازے سے کہیں زیادہ تھی۔ نعروں کی گونج میں حضرت شیخ کو دعوت دی گئی، بخاری شریف کی آخری حدیث کی تلاوت کی گئی، پھر حضرت شیخ نے سندھی میں ''درس حدیث'' ارشاد فرمایا۔ کمال کا علمی بیان تھا، باوجودیکہ ہم ختم بخاری کی بیسیوں تقریبات میں شرکت کر چکے ہیں اور بیسیوں مرتبہ درس حدیث سننے کی سعادت نصیب ہوئی، لیکن بلا مبالغہ حضرت شیخ کے اس بیان میں بہت سے باتیں ایسی تھیں جو پہلے کبھی سننے یا پڑھنے میں نہیں آئیں۔ قلت وقت کی بنا پر حضرت نے اختصار سے کام لیا، ورنہ ہم مزید علمی جواہرات اپنے دامن میں سمیٹ لیتے۔ دو بجکر تقریباً پانچ منٹ (۲:۰۵) پر تلاوت حدیث کا آغاز ہوا اور دو بجکر پچپن (۲:۵۵) پر حضرت شیخ کا بیان ختم ہوا۔ اس کے بعد دس فضلائے کرام اور بیسیوں حفاظ کرام کی دستار بندی ہوئی۔ فضلاء کو پگڑیاں اور حفاظ کو رومال باندھے گئے۔ اسی دوران حضرت شیخ کے فرزند ارجمند حافظ محمود الرحمٰن سلمہ کو بھی رومال باندھا گیا۔ آخر میں جب رومال ختم ہو گئے تو دیکھا کہ ایک بچہ ابھی باقی ہے، حضرت شیخ نے منتظمین کی طرف دیکھا، انہوں حیرت کا اظہار کیا کہ رومال تو پورے تھے، ایک طرف وہ بچہ حیران و پریشان دیکھ رہا تھا، اتنے میں حضرت شیخ نے اپنے جگر گوشہ کے سر سے بندھا ہوا رومال اتار کر اس بچے کے سر پر بندھوا دیا۔ یہ منظر دیکھ میری آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ بے شک اسلام انہیں جذبات و قربانیوں سے پھیلا ہے۔ دستار بندی کے بعد تین بجکر تقریباً پندرہ منٹ (۳:۱۵) پر صدرِ جلسہ حضرت مولانا مفتی نثار احمد صاحب مدظلہم [مدرس: جامعہ مظہریہ حسینیہ] کی مختصر دعا سے یہ تقریب اختتام کو پہنچی۔

آفتابِ معرفت کی رحلت:

مؤرخہ 2 جون بروز اتوار حکیم الامت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے سلسلہ کے عظیم مرشد، محی السنہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق رحمہ اللہ [خلیفہ مجاز: حضرت تھانویؒ] کے خلیفہ مجاز عارف باللہ حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب [بانی: جامعہ اشرف المدارس، کراچی و خانقاہ امدادیہ اشرفیہ، کراچی] رضائے الٰہی سے انتقال فرما گئے۔ اس روز بندہ اپنے احباب کے ہمراہ جامعہ مظہریہ حسینیہ کی تقریب ختم بخاری سے فراغت پر حیدر آباد سے بہاول پور کے لیے روانہ ہو چکا تھا، راستے میں حضرت رحمہ اللہ کے انتقال کی خبر ملی، جنازہ میں شرکت سے محرومی پر شدید افسوس ہوا۔ خدا تعالیٰ حضرت رحمہ اللہ کی کامل مغفرت فرما کر جنت الفردوس میں بلند و بالا مقام نصیب فرمائے۔ آمین۔ قارئین سے بھی دعاؤں کی درخواست ہے۔

۲۰۰۳ء میں جب بندہ ''مدرسہ تعلیم القرآن قاسمیہ مسجد حق چار یار، پنڈ گدوال، واہ کینٹ'' میں زیرِ تعلیم تھا تو استاذِ محترم حضرت مولانا قاری احسان الحق مدظلہم گاہے بگاہے مختلف اکابر کی کتب بندہ سے سنتے رہتے تھے، اسی دوران حضرت والا کی کتاب ''مواعظِ دردِ محبت'' بھی استاذِ محترم کو سنانے کی سعادت نصیب ہوئی۔ غالباً وہیں سے حضرت کا تعارف ہوا۔ ایک مرتبہ بندہ کے شیخ مدظلہم کی موجودگی میں بڑے شعراء کا تذکرہ چلا اور بندہ نے حضرت سید نفیس شاہ صاحب کا نام لیا تو حضرت شیخ نے اُن کی تعریف فرمائی اور پھر حضرت والا رحمہ اللہ کا نام لیا کہ اُن کے اشعار بھی بڑے کمال کے ہوتے ہیں۔ محبت اور عقیدت بڑھتی چلی گئی، گزشتہ سے پیوستہ سال اپنے ہم کلاس ساتھی مولانا نثار صاحب کے ہمراہ حضرت رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی، باوجود ضعف و نقاہت کے نہایت پُرنُور اور روشن چہرہ تھا، جو ع ''جسے دیکھ کر خدا یاد آئے'' کا واضح مصداق تھا۔ حضرت کی موجودگی میں اُن کے خلیفہ عارفانہ کلام پیش فرما رہے تھے اور موقع بہ موقع ایسا انداز اپنا رہے تھے کہ حضرت والا بے اختیار مسکرا دیتے، آپؒ کی دلفریب مسکراہٹ دیکھتے ہی جملہ حاضرین قدرے بلند آواز سے ''ماشاءاللہ'' کہتے۔ عصر تا مغرب کی اس مختصر ترین محفل سے بندہ بہت محظوظ ہوا۔

۲۰۰۹ء میں بندہ نے اپنے جدامجد حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ کی وفات پر حضرتؒ سے کچھ تحریر کرنے کا عرض کیا تو درج ذیل چند سطور لکھوا کر بھجوائیں جو مجلّہ ''المصطفیٰ'' کے ''امام اہل سنت نمبر'' میں شائع ہوئیں:

> ''باسمہ تعالیٰ...... محبی المکرّم سرفراز حسن خان صاحب زیدمجدہ......السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
>
> محدث کبیر حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کی وفات امت مسلمہ کا نقصانِ عظیم ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور جنت الفردوس میں جگہ نصیب فرمائے، حضرت رحمہ اللہ خانقاہ میں تشریف لا چکے ہیں اور اس طرح احقر کو بھی حضرت کی ملاقات کا شرف حاصل ہے، آپ، حضرتؒ کی دینی خدمات اور سوانح حیات مجلّہ المصطفیٰ میں شائع فرما رہے ہیں اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں اور امت مسلمہ کے لیے نافع فرمائیں۔ آمین''

ع خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

ماسٹر منظور حسین صاحب
ناظم: ماہنامہ حق چار یار، لاہور

مولانا ضیاء اللہ شاہ بخاری کے نام مکتوبِ منظور

عالیجناب مولانا سید ضیاء اللہ صاحب بخاری

مدیر ماہنامہ ''نغمۂ توحید'' گجرات و مرکزی نائب امیر ([۱] نغمہ توحید ص:۳۹، جلد۲، شمارہ۲) اشاعت التوحید والسنۃ پاکستان

سلام مسنون! کے بعد عرض ہے کہ ماہنامہ ''نغمۂ توحید'' میں مذکور مسئلہ سماع موتیٰ کے بارہ میں چھ ماہ پہلے آپ کی خدمت میں ایک عریضہ بھیج چکا ہوں لیکن تاحال جواب کا منتظر ہوں۔ بطور یاددہانی دوسرا عریضہ اس امید پر لکھ رہا ہوں کہ جناب اپنی پہلی فرصت میں جواب سے ضرور نوازیں گے۔

موجودہ اشاعۃ التوحید السنۃ کا نظریہ:

نغمہ توحید جلد۲ شمارہ نمبر۱ میں موجودہ سربراہ جمعیت اشاعۃ التوحید والسنۃ جناب حضرت مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری مدظلہ ([۲] نغمہ توحید ص:۲۴، جلد۲، شمارہ۲) کی طرف منسوب عبارت درج ہے کہ انہوں نے ''ادلہ اربعہ (قرآن کریم۔ احادیث صحیحہ، اقوالِ صحابہؓ اور اقوالِ فقہاء) کی روشنی میں ثابت فرمایا کہ:

''مُردے نہیں سنتے''

۲......ماہنامہ مذکور کے ہر پرچہ میں موجودہ اشاعۃ التوحید والسنۃ کا عقیدہ بایں الفاظ درج ہوتا ہے کہ:

''سماع موتیٰ کا عقیدہ قرآن کے خلاف ہے''۔

۳......جلد۲ شمارہ نمبر۱۰ میں مذکور ہے کہ:

''حضرت شاہ جی مدظلہ حسب معمول دنیا و مافیہا سے بے نیاز سماع موتیٰ کے من گھڑت عقیدہ کے رد میں قرآنی آیات پیش فرما رہے تھے۔''......''قائلین سماع موتیٰ کے بودے دلائل''ص:۲۰۔

۴......جلد۲ شمارہ نمبر۲ صفحہ ۲۰ پر شاہ صاحب ہی سے منسوب یہ عبارت درج ہے کہ:

''مُردوں کے سننے کے مسئلے کی بنیاد یہودیت نے لکھی ہے''۔

۵......اور جلد۲ شمارہ نمبر۷ صفحہ ۱۸ پر ہے کہ:

''دوسرے درجے کے مشرک کہتے ہیں کہ انبیاء واولیاء حاجت روا اور مشکل کشا نہیں ہیں ہم انہیں حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر ان کی قبروں پر نہیں جاتے بلکہ ہم ان سے درخواست کرتے ہیں وہ ہماری درخواست سن کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں، یہ لوئر کلاس مشرک ہیں''۔

المختصر مذکور بالا عبارات سے واضح ہو رہا ہے کہ آج کی اشاعۃ التوحید والسنۃ کے نزدیک عقیدہ سماع موتیٰ ا...... قرآن کے خلاف ۲...... من گھڑت ۳...... یہودیت کی ایجاد ہے ۴...... اور اس کے قائلین دوسرے درجے کے مشرک ہیں۔

لیکن اس کے برعکس اشاعۃ التوحید والسنۃ کے سابقہ اکابرین حضرات مسئلہ سماع موتیٰ کو مختلف فیہ اور فروعی واجتہادی قرار دے کر اس میں زیادہ شدت اور بحث وتمحیص سے منع فرماتے رہے ہیں جیسا کہ درج ذیل عبارات سے ظاہر ہے۔

سابقہ اکابرین اشاعۃ التوحید والسنۃ اور مسئلہ سماع موتیٰ:

ا...... بانی اشاعۃ التوحید والسنۃ، رئیس المفسرین، سند المحدثین، قدوۃ الفقہاء، سلطان العارفین الامام العلامہ مولانا حسین علی رحمہ اللہ تعالیٰ ورحمۃً واسعۃً ([۳] ہر پرچہ میں یہ القاب درج ہوتے ہیں۔) کے بارہ میں شیخ الحدیث مولانا قاضی شمس الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

''ہمارے شیخ حضرت مولانا حسین علی صاحب مرحوم ومغفور، سماع موتیٰ کے بارے میں فرماتے تھے کہ: یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور اس میں زیادہ شدت اور بحث ونہ کی جائے''۔(بحوالہ ماہنامہ تعلیم القرآن جولائی/اگست ۸۴ء)

اور شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

''حضرت مرشدی مولانا حسین علی مرحوم...... قائلین سماع کی تکفیر وتضلیل نہیں کرتے تھے''۔ (بحوالہ ردمنکرات صفحہ ۵)

۶...... شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ:

''سماع موتیٰ کا مسئلہ زمان صحابہ رضی اللہ عنہ سے مختلف فیہ چلا آرہا ہے یہ مسئلہ اعتقادیات ضروریہ میں سے نہیں جن کی نفی اثبات پر کفر واسلام کا مدار ہے...... امت محمدیہ علیٰ وصاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے علماء کے درمیان اس مسئلہ میں ہمیشہ دو رائیں رہی ہیں کچھ علماء کی یہ رائے رہی ہے کہ مُردے سنتے ہیں جبکہ دوسرے علماء نے اپنی تحقیق کی بناء پر سماع موتیٰ کی نفی کی ہے۔ علماء کرام کی ان دونوں جماعتوں کے پاس دلائل ہیں...... قائلین سماع بھی صحیح حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں''۔(تفسیر جواہر القرآن جلد ۲ صفحہ ۹۰۲)

۳......استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب ([۴] نغمہ توحید ص:۴۸، جلد۲، شمارہ۲) تحریر فرماتے ہیں کہ:

''مسئلہ سماع موتی مختلف فیہ کو سٹیج پر موضوع تقریر و بحث بنانے کی بجائے مسئلہ علم غیب، حاضر وناظر......(وغیرہ) کی تردید میں علماء تقاریر کریں۔ (میں) قائلین سماع عندالقبر کو بھی اہل سنت سے خارج نہیں سمجھتا، جو لوگ سماع صلوٰۃ وسلام عندالقبر کے قائلین کو کافر کہتے ہیں ان کے اس مؤقف کو صحیح نہیں سمجھتا، کیونکہ جن دلائل کی بنا پر وہ قائلین صلوٰۃ وسلام عندالقبر کو کافر کہتے ہیں وہ قطعی الثبوت ہیں قطعی الدلالت نہیں۔ لہٰذا اسلاف متقدمین کے مابین مختلف فیہ مسائل میں کسی جانب کو کافر قرار دینا بہت بڑی جسارت ہے، جس سے احتیاط چاہیے بندہ کی یہ تحقیق دیانۃً ہے اور اپنے تمام شاگردوں اور متعلقین کو اسی کی تاکید کرتا ہوں''۔ (ماہنامہ تعلیم القرآن جولائی اگست ص:۴۶، ......۸۴ء)

۴......جماعت اشاعۃ التوحید والسنۃ کے بانی علامۃ الدھر، عدیم النظیر فی الاوطان فی زمانہ، امام انقلاب شیخ العرب والعجم، شیخ القرآن والحدیث حضرت مولانا محمد طاہر نوراللہ مرقدہ ([۵] نغمہ توحید ص:۴۸، جلد۲، شمارہ۲) فرماتے ہیں کہ: ''میں سماع موتی کے قائلین کو کافر تو در کنار گمراہ بھی نہیں کہتا''۔ (تعلیم القرآن ایضاً)

۵......مجلس شوریٰ جمعیت اشاعۃ التوحید والسنۃ کل پاکستان کا متفقہ فیصلہ:

ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی نومبر ۱۹۸۱ء کے شمارہ میں کسی صاحب کے ارسال کردہ سوال کے جواب میں محقق عصر حضرت مولانا احمد حسین سجاد بخاری صاحب مدیر ماہنامہ تعلیم القرآن کی طرف سے مرتبہ جوابی مضمون بعنوان ''الارشاد الاصاغر الی مسلک الاکابر فی سماع اہل المقابر'' شائع ہوا۔ جسکے بارہ میں ۳۰ دسمبر ۸۱ء کو مجلس شوریٰ جمعیت اشاعۃ التوحید والسنۃ کل پاکستان کے اجلاس میں متفقہ طور پے طے پایا کہ یہ مضمون پمفلٹ کی شکل میں تابع کروا کر عوام الناس تک پہنچایا جائے اس لیے اس کو ''عقائد علمائے دیوبند نوراللہ مرقدہ اور مسئلہ سماع موتی'' کے عنوان سے جمعیت اشاعۃ التوحید والسنۃ پاکستان کی طرف سے شائع کیا گیا۔ جس کا پیش لفظ اشاعۃ التوحید والسنۃ پاکستان کے ناظم نشر واشاعت مولانا ضیاء الحق صاحب نے تحریر فرمایا۔ چنانچہ اس میں درج ہے کہ

سوال: بعض لوگوں نے یہ مہم چلا رکھی ہے کہ سماع موتی دیوبندیت کا معیار ہے۔؟

الجواب! دیوبندیت نہ تو کوئی الگ مذہب ہے اور نہ کوئی جداگانہ مسلک۔ دیوبندیت مسلک اہل حق اور مشرب سلف کا ایک عنوان ہے، جو لوگ ایسے فروعی اور غیر ضروری مسائل کو دیوبندیت کا معیار سمجھتے ہیں حقیقت میں وہ دیوبندیت کی خصوصیات سے بے خبر ہیں صفحہ۳۔

نیز لکھتے ہیں کہ: ''دیوبندیت کی اس تحقیق کے مطابق سماع موتی یا اس قسم کے دوسرے فروعی مسائل کو دیوبندیت کا معیار قرار دینے کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔''ص:۵

پھر اکابر علمائے دیوبند کی وہ عبارات درج کرتے ہیں جن میں مذکور ہے کہ:

''مسئلہ سماع موتی کا قرون اول میں مختلف فیہ ہوا۔اب اس کا فیصلہ تو ممکن ہی نہیں۔ص:۷

سماع موتی خود مختلف فیہ مسئلہ ہے۔ص:۹

اور سماع موتی کا عقیدہ کوئی ضروری اور بنیادی عقیدہ نہیں''۔ص:۱۲

المختصر اکابرین اشاعۃ التوحید والسنۃ کی مذکورہ بالا عبارات سے بالکل واضح ہورہا ہے کہ وہ مسئلہ سماع موتی کو اعتقادیات ضروریہ میں سے نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ ان کے نزدیک یہ مسئلہ مختلف فیہ اور فروعی واجتہادی مسائل میں سے ہے۔ اسی لئے وہ قائلین سماع موتی کو اہل السنّت والجماعت میں سے سمجھتے تھے۔اوران کی تکفیر وتضلیل تو کجا انہیں گمراہ بھی نہیں سمجھتے تھے،لیکن آپ کے ماہنامہ ''نغمہ توحید'' میں (اشاعۃ التوحید والسنۃ کے سربراہِ مکرم خطیبِ اسلام حضرت مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری مدظلہ [نغمہ توحید ماہ دسمبر ۹۱ء۔ص۳۶] سے منسوب) سماع موتی کے عقیدہ کو[۱]قرآن کے خلاف،[۲]من گھڑت اور[۳]یہودیت کی ایجاد قرار دیا گیا ہے،[۴]نیز اس مسئلہ کے تحت انبیاء اولیاء کی قبروں پر دعا کی درخواست کرنے والوں کو دوسرے درجے کے مشرک لکھا گیا ہے۔

دریافت طلب امور:

۱......مسئلہ مذکور میں موجودہ اشاعۃ التوحید والسنۃ کا اپنے ہی اکابرین کے ساتھ اتنا بڑا تضاد کیوں ہے؟

۲......اکابرین اشاعۃ التوحید والسنۃ کی تصریحات بالا کے مطابق اگر مسئلہ سماع موتی مختلف فیہ اور فروعی واجتہادی ہے تو پھر اسے قرآن مجید کے خلاف،من گھڑت اور یہودیت کی ایجاد کیوں قرار دیا گیا ہے؟اور

۳......نغمہ توحید کی عبارات بالا کے تحت اگر یہ مسئلہ قرآن کے خلاف،من گھڑت اور یہودیت کی ایجاد ہے تو پھر اکابرین جمعیت اشاعۃ التوحید والسنۃ نے اسے فروعی واجتہادی کیوں قرار دیا ہے؟

آنجناب سے امید ہے کہ وضاحت فرما کر مشکور فرمائیں گے۔

والسلام......طالب حق:ماسٹر منظور حسین عفی عنہ

محلّہ کوٹ لشکر خان ساہی وال ضلع سرگودھا۔مورخہ ۳۰ جنوری ۱۹۹۲ء

مولانا حافظ زاہد حسین رشیدی

مولانا مفتی ابولبابہ شاہ منصور کے نام مکتوبِ رشیدی

برادرِ مکرم حضرت مولانا مفتی ابولبابہ صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ماہنامہ ''الشریعہ'' مئی ۲۰۰۳ء میں امیر عبدالقادر الجزائری [۱۸۰۷ء-۱۸۸۳ء] کے حوالہ سے ہمارے مخدوم بزرگ حضرت مولانا زاہدالراشدی مدظلہ، مولانا عبدالقیوم حقانی، مولانا عمار خان ناصر اور آنجناب کی تحاریر دیکھنے کو ملیں۔ بظاہر یہ اختلاف ایک شخصیت کی بابت ہے جو مذکورہ تین حضرات کے نزدیک ''سرفروش'' تھے جب کہ آں محترم کے نزدیک ''ایمان فروش''۔ لیکن گہری نظر ڈالی جائے تو اس وقت ایسی متنازعہ شخصیت کو متعارف کروانا بلاشبہ افغانستان، فلسطین، کشمیر اور عراق سمیت دوسرے مقامات پر برسرِ پیکار مجاہدین کی جدوجہد کو سبوتاژ کرنے کے مترادف ہے۔ الجزائری موصوف کو ذہین اور حکیم مجاہد کے طور پر پیش کرنا واضح پیغام ہے کہ عصر حاضر کے سربکف مجاہدین اپنی جانیں فضول میں گنوار ہے ہیں۔ انہیں الجزائری کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اپنی مزاحمت ترک کر دینی چاہیے۔ یہ پیغام کس کی خواہش پر ہوسکتا ہے اور کس کے لیے سودمند ہوسکتا ہے؟ نتیجہ کے لیے سقراط ہونا ضروری نہیں۔ تعجب ہے ہمارے دوست جناب ناصر اس بدیہی حقیقت کو سازشی مفروضہ، کامن سینس کو پسِ پشت ڈالنا اور سطحی اور گمراہ کن ہتھکنڈے استعمال کرتے ہوئے سنسنی کی فضا پیدا کرنا کیسے قرار دیتے ہیں؟

مولانا عبدالقیوم حقانی کو جاننے والے جانتے ہیں کہ وہ کسی بھی مدح سرائی میں کبھی بخل سے کام نہیں لیتے، لہٰذا ان کے حسبِ ذیل الفاظ

> ''امیر عبدالقادر الجزائری تحریک الجزائر کے عظیم مجاہد اور سرفروش قائد و رہنما تھے،
> امیر صرف جنگجو رہنما ہی نہ تھے ایک جید عالم دین اور صوفی بزرگ بھی تھے۔''

سے صرفِ نظر ممکن ہے۔ البتہ اپنے مخدوم قبلہ راشدی صاحب کی یہ سند اور خواہش حیرت کا باعث ثابت ہوئی۔ آپ لکھتے ہیں:

> ''امیر عبدالقادر اپنی جدوجہد میں جہاد کے شرعی و اخلاقی اصولوں کی پاس داری
> اور اپنے اعلیٰ کردار کے حوالہ سے امت مسلمہ کے محسنین میں سے ہیں۔ (امیر کی سوانح) نئی

پودکوان کی شخصیت اور جدوجہد سے واقف کرانے میں یقیناً مفید ثابت ہوگی۔''

کیا ہمارے مخدوم نے امیر کے اندرونِ حرم کا حال اسی سوانح میں نہیں پڑھا؟ کیا ہر سال پندرہ سالہ دلہن کی حرم آمد، اور جین کے ساتھ امیر کی دریائے برادا کے کنارے قہوہ نوشی کے باوجود امیر ہمارے مخدوم کی نظر میں شرعی اور اخلاقی اصولوں کے پاس دار اور اعلیٰ کردار کی حامل شخصیت تھے، جن سے نئی پود کو متعارف کروانا ضروری ٹھہرا؟

باقی رہے ہمارے پیارے دوست جناب عمار خان ناصر، تو ان کی اپنی دنیا ہے، جس پر گفتگو کے لیے ان جتنی ذہانت، بات سے بات نکالنے کا ہنر اور کافی فرصت درکار ہے، لہٰذا پھر کسی موقع پر۔

یاد رہے کہ آں محترم نے کتاب کے حوالہ سے جس تعارفی تقریب اور اس میں امریکی سفارت خانہ کے نمائندہ کی شرکت کا ذکر کیا ہے، اس میں ہمارے ایک دوست بھی لاعلمی میں بطورِ سامع شریک ہوئے تھے، جنہیں واپسی پر ایک عدد لفافہ پیش کیا گیا، جسے چاک کرنے پر دس ہزار (10,000) روپے ایک کہانی پیش کر رہے تھے، جب ایک سامع کا لفافہ اتنا بھاری بھرکم ثابت ہوا تو خدا جانے مترجم، ناشر، تقریب کے کمپیئر و دیگر ذمہ داران کے لفافے اپنے اندر کیا کچھ رکھتے ہوں گے؟

بہرحال آنجناب نے بروقت اور مضبوط گرفت کی ہے۔ قارئین کو اسے محض ایک شخصیت کی بابت اختلاف کے طور پر نہیں لینا چاہیے۔

باقی اگر آپ ''غامدی اصغر، غامدیت کا نوخیز ترجمان، ناجائز تخلیق، کوئلوں کی دلالی میں منہ کالا'' ایسے الفاظ استعمال نہ کرتے تو شاید آں جناب کی کاوش اثر انگیزی کے حوالہ سے اور زیادہ نتیجہ خیز ثابت ہوتی۔

والسلام مع الاکرام......زاہد حسین رشیدی

امیر عبدالقادر اور اکابر دیوبند کی جہادی کاوشوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

جامعہ قادریہ حنفیہ ملتان میں امام اہل سنتؒ کے صاحبزادے محقق اہل سنت حضرت مولانا عبدالحق خان بشیر نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ: ''ایک جانب مولانا زاہد الراشدی کے والد ہیں اور دوسری جانب اُن کا بیٹا، مَیں اُن کے والد کے نظریات پر ہوں، اُن کے بیٹے کے نظریات پر نہیں۔''

ایک اور سوال کے جواب میں فرمایا کہ: ''امیر عبدالقادر الجزائری اور اکابر دیوبند کی جہادی کاوشوں میں زمین آسمان کا فرق ہے، انہیں یکساں قرار دینا ظلم عظیم ہے۔ اکابر دیوبند نے جہادِ شاملی کے بعد صرف انداز تبدیل کیا تھا، اور کام جاری رکھا تھا۔ جبکہ امیر تو بالکل ہتھیار ڈال کر اُن کی گود میں جا بیٹھا تھا۔''

ایک مقام پر فرمایا: ''امیر عبدالقادر کے بارے میں ہمارا وہی مؤقف ہے جو مفتی ابولبابہ صاحب کا ہے۔''

مولانا مفتی شعیب احمد

اسلام کا تصور جہاد......اور......عمار خان ناصر

(......قسط ۲......)

<u>غیر عربوں یعنی عجمیوں کے ساتھ معاملہ:</u>

یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے براہ راست مخاطب عربوں کے ساتھ معاملہ تھا، باقی رہے غیر عرب تو ان کے حق میں چونکہ یہ باتیں مفقود تھیں، نہ زبان ایک تھی، نہ قومیت یکساں، نہ طویل عرصے تک باہمی معاشرت اور اختلاط تھا، اور نہ ایک دوسرے کی نیک سیرت وفطرت کا تجربہ، اس لیے ان کے حق میں اگرچہ ان کو اسلام کی دعوت پہنچ بھی چکی ہو اتمام حجت ثابت نہیں اور اتمام حجت نہ ہونے کی وجہ سے عربوں کے برخلاف ان کو، خواہ حاکم ہوں یا محکوم، دو کی بجائے تین شقیں ملیں یعنی:

(۱)......یا تو اسلام قبول کرلیں۔

(۲)......یا مسلمانوں کی ماتحتی قبول کرلیں۔

(۳)......یا میدان جنگ میں آجائیں۔

دوسری اور تیسری شق کا مقصد ایک تو اعلائے کلمۃ اللہ اور دین کی سربلندی ہے اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ عجمی عوام کی اسلامی تعلیمات تک رسائی کسی کافر حکومت کی رکاوٹ کے بغیر ہوجائے، پھر وہ اسلام قبول کریں یا نہ کریں یہ ان کا اپنا اختیاری معاملہ ہوگا۔ اس بارے میں شرعی نصوص میں یوں تفصیل مذکور ہے:

☆ 'قاتلوا الذین لایومنون باللہ ولا بالیوم الآخر ولایحرمون ماحرم اللہ ورسولہ ولایدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتاب حتی یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون'. (توبہ ۱۲)

وہ اہل کتاب جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ یوم آخرت پر اور جو اللہ اور اس کے رسول کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام نہیں سمجھتے اور دین حق کو اپنا دین نہیں مانتے، ان سے قتال کرو یہاں تک کہ وہ خوار ہوکر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کردیں۔

☆ عن معاویۃ بن قرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ فی کل امۃ رھبانیۃ و رھبانیۃ امتی الجھاد. (شرح سیر کبیر: ۲۳، سنن سعید بن منصور ۲۳۰۹)

حضرت معاویہ بن قرہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر امت میں رہبانیت (یعنی اللہ کی خاطر دنیوی نعمتوں اور لذائذ کو چھوڑنے کی صفت) رہی ہے اور میری امت کی رہبانیت جہاد ہے۔ (کہ اس میں ایک انسان دنیا کی سب سے قیمتی چیز یعنی اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھ کر دیوانہ وار راہ خدا میں پیش کر دیتا ہے)

☆ **عن عمران بن حصین رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ لا تزال طائفة من امتی یقاتلون علی الحق ظاھرین علی من ناواھم حتی یقاتل آخرھم المسیح الدجال.**
(ابوداؤد: ۲۴۸۶)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں سے ایک گروہ حق پر لڑتا رہے گا اور دشمنوں پر ظاہر رہے گا (یعنی ہار نہ مانے گا) یہاں تک کہ اس امت کا آخری گروہ مسیح دجال سے لڑائی کرے گا۔

☆ **قال رسول اللہ و الجھاد ماض منذ بعثنی اللہ الی ان یقاتل آخر امتی الدجال، لا یبطلہ جور جائر، و لا عدل عادل.**

نبی ﷺ نے فرمایا: میری بعثت سے لے کر جہاد جاری ہے یہاں تک کہ میری امت کا آخری حصہ دجال سے قتال کرے، کسی ظالم کا ظلم اور کسی عادل کا عدل جہاد کو نہیں روک سکتا۔
(صحیح ابن حبان: ۲۳۶۷)

☆ **عن الحسن انہ قال: سیاتی علی الناس زمان سیقولون لا جھاد، فاذا کان ذلک فجاھدوا، فان الجھاد افضل. (رقم: ۲۳۶۸)**

حضرت حسن فرماتے ہیں لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے، وہ کہیں گے جہاد کوئی نہیں۔ جب ایسا زمانہ آئے تو جہاد کرنا کیونکہ جہاد بہت فضیلت کا کام ہے۔

مذکورہ بالا حدیثوں کے بارے میں غامدی وعمار صاحب شاید یہ کہیں کہ یہاں جہاد سے دفع ظلم کا جہاد مراد ہے اور وہ ہم بھی تسلیم کرتے ہیں، لیکن اگر غور کیا جائے تو یہ کہنا برائے کہنا ہی ہے کیوں کہ اول تو مسلمانوں کے حق میں دفع ظلم کے لیے جہاد کو غلبہء دین کا جہاد لازم ہے جیسا کہ آگے ذرا تفصیل سے آئے گا۔ دوسرے ان حدیثوں میں جہاد کا ذکر مطلق ہے، نہ غلبہ دین کے ساتھ مقید ہے اور نہ ہی دفع ظلم کے ساتھ اور نہ صحابہ کے ساتھ مقید ہے اور نہ ہی غیر صحابہ کے ساتھ اور تخصیص وتقیید کی کوئی دلیل بھی نہیں ہے لہذا نصوص کا تقاضا یہ ہے کہ ان کو عام اور مطلق ہی رکھا جائے۔ اور اگر ذرا غور کیا جائے تو یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ دفاعی جہاد اور ظلم کے خلاف جہاد وقتال کو تو ہر کوئی مانتا ہے یہاں تک کہ کافر بھی اس کو اہمیت دیتے ہیں۔ اس لیے دفع ظلم کے لیے جہاد کے جاری رہنے کو ذکر کرنے کیا فائدہ؟۔ فائدہ تو غلبہء دین کے لیے جہاد کو ذکر کرنے میں ہے کہ جس کی اہمیت اور حیثیت واضح کرنے کی ضرورت تھی۔ اسی وجہ سے حضرت حسن

بصری اور ابن سیرین رحمہما اللہ فرماتے ہیں:

جهاد المشركين قائم

مشرکوں کے خلاف جہاد باقی ہے۔ (منسوخ نہیں ہوا) (سنن سعید بن منصور، رقم: ۲۳۶۹)

یہاں روایت کے الفاظ میں مشرکین کا لفظ ہے اور عربیت کا ضابطہ ہے کہ اسم مشتق پر لگنے والے حکم کی بنیاد اور علت مادہ اشتقاق اور متعلقہ وصف ہوتا ہے جیسے ''السارق'' اور ''الزانی'' میں حکم کی بنیاد سرقے اور زنا پر ہے کسی خارجی امر پر نہیں، اسی طرح یہاں جہاد کا تعلق کفر اور شرک سے ہے اور کفر وشرک اس کی علت ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو جہاد قیامت تک جاری ہے اس کی بنیاد صرف ظلم پر نہیں (جیسا غامدی صاحب کہتے ہیں) بلکہ اس کی بنیاد نظریاتی اختلاف اور اختلاف مذہب پر بھی ہے۔ اور ایسا جہاد ہی دین کی سر بلندی اور کفار اشرار کی سطوت وشوکت کو توڑنے کے لیے ہوتا ہے۔ یہاں یہ نکتہ بھی دلچسپ ہے کہ حضرت حسن بصری اور ابن سیرین رحمہما اللہ تابعین میں سے ہیں، ان کے زمانے تک عمار صاحب کی طرف سے صحابہ کے لیے طے کردہ روم وفارس کے محدود علاقے کب کے فتح ہو چکے تھے، اس کے بعد بھی اگر وہ مشرکین کے جہاد کو جاری اور قائم کہتے ہیں تو اس سے مراد لامحالہ وہ خطے ہوں گے جن کو غلبہ دین کے لیے جہاد کے تحت لانے پر عمار صاحب آمادہ نہیں۔

☆ قسطنطنیہ کی فتح کی بابت ارشاد نبوی ہے:

لا تقوم الساعة حتى يفتح الله على المؤمنين القسطنطينية الرومية بالتسبيح و التكبير.

قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ مسلمان قسطنطنیہ کو تسبیح وتکبیر سے فتح نہیں کر لیں گے۔ (دیلمی: رقم: ۷۵۲۴)

اس روایت میں فتح قسطنطنیہ کا ذکر ہے دوسری طرف یہ معلوم ہے کہ اگرچہ مسلمانوں کی جانب سے اس کو فتح کرنے کی کوششیں صحابہ کے دور سے ہی شروع ہو گئی تھیں، لیکن اس کی فتح صحابہ کے دور میں نہیں ہوئی بلکہ اس کے بہت بعد نویں صدی ہجری میں ترک سلطان محمد فاتح نے اسے فتح کیا تھا۔ یہ جہاد غامدی وعمار خان صاحب کے فلسفے کے مطابق مسلمانوں پر ہونے والے کسی ظلم کو ختم کرنے کے لیے نہیں تھا۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ غامدی وعمار خان صاحب کے فلسفے کے مطابق قسطنطنیہ کو فتح کرنے والے مسلمان ظلم کے مورد الزام ٹھہرائے جائیں کہ انہوں نے اعلیٰ اخلاقی اقدار کو چھوڑتے ہوئے قسطنطنیہ کے معصوم شہریوں پر چڑھائی کر کے ان کو اپنا ''زیر دست اور محکوم بنانے کی جسارت کی تھی''۔

اس کے علاوہ متعدد صحیح اور صریح روایات میں آتا ہے کہ امام مہدی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام

آخری زمانے میں جبکہ مسلمان افراتفری کے عالم میں ہوں گے، امت کو سنبھالیں گے اور کافروں سے لڑائی کریں گے جس سے اسلام کا کلمہ بلند ہوگا۔[۹]

فصل:

فقہائے اسلام کے تصور جہاد پر ان کی متفقہ تصریحات:

گذشتہ سطور میں اسلام کے جس تصور جہاد کا ذکر کیا گیا ہے اس پر قرآن وسنت کی کچھ تصریحات تو پیچھے آ ہی گئی تھیں اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بابت فقہائے اسلام کی دوٹوک تصریحات بھی نذر قارئین کر دی جائیں۔ اس سلسلے میں چند عبارات پیش خدمت ہیں۔ اندازہ لگالیں کہ چودہ صدیوں کے فقہاء وعلماء کی عبارات کس بھرپور انداز میں عمار صاحب کے تصور جہاد کی تردید کر رہی ہیں، اور یہ بھی دیکھ لیں کہ موصوف جمہور اہل سنت کے ''علمی مسلمات'' کی کس حد تک پاسداری کر رہے ہیں۔

☆ فقہ حنفی کی انتہائی اہم اور بنیادی کتاب مبسوط میں ہے:

فاما بيان المعاملة مع المشركين فنقول الواجب دعاء هم الى الدين و قتال الممتنعين من الاجابة لان صفة هذه الامة فى الكتب المنزلة الامر بالمعروف و النهى عن المنكر و بها كانوا خير الامم قال الله تعالىٰ: كنتم خير امة اخرجت للناس. و راس المعروف الايمان بالله تعالىٰ فعلى كل مومن ان يكون آمراً به داعياً اليه و اصل المنكر الشرك فهو اعظم ما يكون من الجهل و العناد لما فيه من انكار الحق من غير تاويل فعلى كل مومن ان ينهى عنه بما يقدر عليه.

''کفار کے ساتھ معاملے کی تفصیل یہ ہے کہ پہلے ان کو دین حق کی دعوت دی جائے اور جو اسے قبول نہ کریں ان سے قتال کیا جائے۔ کیونکہ آسمانی کتب میں اس امت کی علامت ہی امر

---

[۹] غامدی صاحب کا نظریہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پاچکے ہیں اور وہ قرب قیامت میں آسمان سے نہ اتریں گے (دیکھئے، ماہنامہ اشراق اپریل ۱۹۹۵ صفحہ ۴۵)۔ اور عمار خان صاحب کی اس بارے میں تصریحات یہ ہیں:

''میرے نزدیک سیدنا مسیح علیہ السلام کے دوبارہ تشریف لانے کے مسئلے کا دین کے اصولی تصورات اور عقائد سے کوئی تعلق نہیں ـــــ۔ جہاں تک اس کے متواتر ہونے کا تعلق ہے تو تحقیق سے یہ دعویٰ بھی درست ثابت نہیں ہوتا ـــــ۔ میرے نزدیک اس چیز (یعنی نزول مسیح علیہ السلام) کو کسی دینی عقیدے کا درجہ نہیں دیا جاسکتا'' (براہین :۷۰۹، ۷۱۰)

تفصیل کا موقع نہیں لیکن اتنا ضرور ہے اس مسئلے میں بھی ان لوگوں نے شریعت کے واضح دلائل کو چھوڑ کر امت سے الگ راہ بنائی ہے، کیونکہ امت ہمیشہ سے اسے ایک متواتر عقیدے کے طور پر ہی لیتی رہی ہے اور بجا طور پر یہ سمجھتی رہی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے اور غلبہ دین کے لیے جہاد وقتال کا فریضہ سرانجام دیں گے۔

بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ اور اسی کی بدولت یہ امت تمام امتوں سے بہتر اور خیر امم ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے: ''تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے نکالی گئی ہے''۔ اور سب سے بڑا اور بنیادی معروف (نیکی) اللہ پر ایمان لانا ہے۔ چنانچہ ہر مسلمان کی یہ ذمہ داری ہوگی کہ وہ ایمان کا حکم دینے والا اور اس کی دعوت دینے والا ہو۔ اور تمام منکرات کی اصل اور بنیاد اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک ہے۔ شرک سب سے بڑی جہالت ہونے کے ساتھ ساتھ بغیر کسی تاویل کے محض عناد پر مبنی حق کا انکار ہے۔ چنانچہ ہر مسلمان کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ اپنی استطاعت کے بقدر شرک و کفر کا راستہ روکے۔'' (مبسوط:۱۰۔۳)

آگے جہاد کے وجوب کے مختلف تدریجی مراحل و مدارج بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"فاستقر الامر علی فرضیة الجهاد مع المشرکین وهو فرض قائم الی قیام الساعة."

(ان تمام مراحل سے گذرنے کے بعد) مشرکوں کے ساتھ جہاد کا حکم حتمی طور سے طے ہو گیا۔ اور مشرکوں کے ساتھ قتال کا یہ فریضہ قیامت تک بدستور باقی ہے۔ (مبسوط: ج۱۲ص۴)

☆امام شافعی، کتاب الام میں لکھتے ہیں:

والواجب ان یکون اول مایبدء به سد اطراف المسلمین بالرجال ...... :فاذا احکم هذا فی المسلمین وجب علیه ان یدخل المسلمین بلاد المشرکین فی الاوقات التی لایغرر بالمسلمین فیها ویرجو ان ینال الظفر من العد و فان کانت بالمسلمین قوة لم احب ان یا تی علیه عام الا وله جیش اوغارة فی بلاد المشرکین الذین یلون المسلمین من کل ناحیة عامة وان کان ذلک یمکنه فی السنة مرارا بلاتغریر بالمسلمین احببت ان لایدع ذلک کلما امکنه واقل مایجب علیه الا یاتی علیه عام الا وله فیه غزو حتی لایکون الجهاد معطلا الا من عذر ". (کتاب الام:۱۴۵۸)

امام کی ذمہ داری یہ ہے کہ اوّلاً دارالاسلام کی سرحدوں کو افواج سے مضبوط کرے۔۔۔جب یہ ہو جائے تو خلیفہ کے ذمے یہ لازم ہوگا کہ وہ مشرکوں کے علاقوں میں گھس جائے ایسے اوقات میں جب مسلمانوں کو خطرے میں ڈالنے کا اندیشہ نہ ہو اور دشمن پر فتحیابی کی امید ہو۔ اگر مسلمانوں کے پاس استعداد اور قوت ہو تو میں اسے پسند کرتا ہوں کہ ان پر کوئی سال بھی ایسا نہ گذرے جس میں وہ اپنے آس پاس ہر طرف کفار کے علاقے میں کوئی لشکر کشی یا حملہ نہ کریں (یعنی ہر سال حملہ کریں) اور اگر مسلمانوں کی جانوں کو خطرے میں ڈالے بغیر سال میں بار بار ایسا کرنا ممکن ہو تو ایسا کیا جائے اور بار بار حملے کیے جائیں۔ لیکن کم سے کم سے واجب اور ذمہ داری یہ ہے کہ سال میں ایک مرتبہ تو یہ کام ہونا ہی چاہیے۵۔ تا کہ جہاد کا انقطاع نہ ہو اور تسلسل قائم رہے۔

☆فقہ حنبلی کی کتاب ''المبدع'' میں ہے:

(و اقل ما يفعل مرة فی كل عام) فان مست الحاجة الىٰ اكثر من مرة وجب قاله الاصحاب (الا ان تدعو حاجة الىٰ تاخيره) كضعف المسلمين من عدد او عدة، او ينتظر الامام عدداً يستعين بهم، او يكون فی الطريق اليهم مانع، او رجاء اسلامهم فيجوز تاخيره فی رواية ....و المذهب انه لا يؤخر مع القوة و الاستظهار لمصلحة رجاء اسلام العدو،(المبدع شرح المقنع و الكافی فی الفقه الحنبلی)

ترجمہ: سال میں کم از کم ایک مرتبہ کافر ملک پر چڑھائی کی جائے اگر اس سے زیادہ کی ضرورت محسوس ہو تو وہ بھی واجب ہوگی۔ ہاں اگر ضرورت کی وجہ سے اقدام کو سال سے مؤخر کرنا پڑے تو اس کی گنجائش ہے جیسے مثلاً عددی یا استعدادی کمی ہو، یا کہیں سے امام کو کمک آنے کا انتظار ہو، یا راستے میں کوئی رکاوٹ ہو، یا مقابل کافروں کے اسلام قبول کرنے کی امید ہو تو ایسی صورت میں ایک روایت کے مطابق تاخیر کی گنجائش ہے۔ اور راجح مذہب یہ ہے کہ اگر قوت و طاقت میسر ہو تو اسلام لانے کی امید پر جہاد کو ملتوی نہ کیا جائے۔''

☆کتاب الام میں ہے:

"فدل كتاب الله عز وجل وسنة نبيه علی ان فرض الجهاد انما هو علی ان يقوم به من فيه كفاية للقيام به حتی يجتمع امران :احدهما:ان يكون بازاء العدو المخوف علی المسلمين من يمنعه .والآخر:ان يجاهد من المسلمين من فی جهاده كفاية حتی يسلم اهل الاوثان اويعطی اهل الكتاب الجزية".

''کتاب الٰہی اور سنت نبوی اس بات کی طرف راہنمائی کرتی ہیں کہ جہاد (اس وقت تک اپنے متعلقہ اہلیت والے لوگوں پر) فرض کفایہ ہے جب تک دو باتیں ہوں:(۱)۔مسلمانوں کے مدمقابل دشمن کے مقابلے پر دفاع کرنے والے لوگ موجود ہوں۔(۲)۔دوسری صورت یہ ہے کہ مسلمانوں میں سے ایک معتدبہ تعداد جہاد کا کام سرانجام دے یہاں تک کہ بت پرست مسلمان ہو جائیں یا اہل کتاب جزیہ دینے لگ جائیں''۔(کتاب الام،ص:۱۴۵۶)

☆فقہ مالکی کی کتاب 'المعونۃ' میں ہے:

---

۵ اپنے مدعا و مطلب کے لیے فقہاء کی عبارات کو سیاق وسباق سے ہٹا کر انہیں اپنا من پسند معنی پہنانے کے لیے عمار صاحب جو پرکاری کرتے ہیں اس کی ایک مثال امام شافعی کی یہ عبارت بھی ہے۔اس عبارت کا آخری ٹکڑا نقل کر کے موصوف نے یہ تاثر دیا ہے کہ امام شافعی کی نظر میں دار الحرب میں امام کی کاروائی صرف ایک علامتی کارروائی اور محض خانہ پری ہے،(دیکھیے الشریعہ، جہاد نمبر:۲۸۱عنوان جہاد کے توسیعی اہداف؟) حالانکہ پوری عبارت اس تاثر سے سخت اباء کرتی ہے۔افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ عمار صاحب کی ایسی کاریگریاں ان کے بے لاگ اور مخلصانہ جذبہ تحقیق پر گہرا سوالیہ نشان چھوڑتی ہیں؟؟؟

''والقتال واجب لایعدل عنه الاباجابة اهل الكفر الی احد الامرین ،اماالدخول فی الاسلام اوبذل الجزية لنا فی دارنا ......ولا یقاتل العدو الا بعد ان یدعو ا الا ان یعجلو نا لانه كان علیه السلام یوصی بذلک امراء ه فیقول :''اذا لقیت عدوا من المشركین فادعهم الی ثلاث خلال ادعهم الی الدخول فی الاسلام فان اجابوک الیه فاكفف عنهم ''ولانهم قد یجیبون الی الاسلام فیستغنی عن قتالهم وهذا مستحسن فی من بلغتهم الدعوة فاما من یخاف ان تكون لم تبلغه اویكون قد سمع بهاولایدری ماهی فیجب ان یدعی''.(المعونة :٤ ٠ ٦)

''جب تک کافر دو باتوں میں سے کسی ایک بات کو قبول نہ کرلیں ان کے ساتھ قتال کرنا واجب ہے۔یا تو وہ اسلام میں داخل ہو جائیں یا جزیہ دیں۔۔۔۔۔

دشمن سے دعوت اسلام دینے سے پہلے قتال نہیں کیا جائے گا الا یہ کہ وہ ہم پر حملہ آور ہو جائیں۔کیونکہ آپ ﷺ اپنے لشکروں کے امراء کو اس بات کی بڑے اہتمام سے تاکید کرتے تھے کہ جب تمہارا مشرکوں سے آمنا سامنا ہو تو انہیں تین باتوں کی دعوت دو جن میں سے ایک یہ ہے کہ انہیں اسلام کی دعوت دو اگر قبول کرلیں تو ان سے قتال نہ کرو۔

دعوت دینا اس لیے بھی ضروری ہے کہ وہ لوگ ہوسکتا ہے کہ اسلام قبول کرلیں تو ایسی صورت میں قتال کی ضرورت ہی نہیں رہے گی۔جن لوگوں کو پہلے اسلام کی دعوت پہنچ چکی ہو انہیں اس کے باوجود دعوت دینا مستحب ہے۔اور جن لوگوں کے بارے میں یہ گمان ہو کہ انہیں دعوت اسلام نہیں پہنچی یا پہنچی تو ہے لیکن وہ اس کی حقیقت سے نابلد ہیں تو ایسے لوگوں کو دعوت دینا ضروری ہے۔

☆علامہ ابن ہمام 'فتح القدیر' میں لکھتے ہیں:

''وقتال الكفار الذین لم یسلموا وهم من مشركی العرب اولم یسلموا ولم یعطوا الجزية من غیرهم (واجب وان لم یبدء ونا)لان الادلة الموجبة له لم تقید الوجوب ببداء تهم .(فتح القدیر)

''اور وہ کافر جو مشرکین عرب میں سے ہیں اور اسلام نہیں لاتے یا وہ اہل کتاب میں سے ہیں اور اسلام کے قبول کرنے یا جزیہ دینے پر آمادہ نہیں تو ایسے کفار کے ساتھ لڑائی اور قتال کرنا واجب ہے۔چاہے وہ کافر حملہ آور ہوں یا نہ ہوں۔کیونکہ جہاد کی فرضیت کی آیات مطلق ہیں ان میں جہاد کی فرضیت کو کفار کی طرف سے چھیڑ چھاڑ اور پہل کرنے کے ساتھ مشروط نہیں ٹھہرایا گیا۔''

☆قدوری کی شرح 'جوہرہ' کی درج ذیل سطور میں بڑے واضح لفظوں میں عمار صاحب کے نظریہ جہاد کی تردید موجود ہے:

''(وقتال الكفار واجب علینا وان لم یبدئونا)لان قتالهم لووقف علی مباداء تهم لنا لكان علی وجه الدفع وهذا المعنی یوجد فی المسلمین اذاحصل من بعضهم لبعضهم

الاذیة وقتال المشرکین مخالف لقتال المسلمین'' (الجوهرة النیرة)

''کفار کے ساتھ لڑائی کرنا واجب ہے چاہے وہ ہم پر حملہ آور ہوں یا نہ ہوں کیونکہ ان کے ساتھ قتال کا حکم اگر ان کی طرف سے پہل پر موقوف ہوتا تو یہ دفاعی قتال ہوتا۔ اور اس پہلو سے کافروں کی کیا خصوصیت یہ تو مسلمانوں میں بھی ہے کیونکہ جب کچھ مسلمان دوسرے مسلمانوں پر حملہ آور ہوں تو دفاع تو وہاں بھی واجب ہوتا ہے۔ حالانکہ مسلمانوں کے خلاف لڑنے اور کافروں کے خلاف قتال کا حکم (بداہۃً) ایک دوسرے سے مختلف ہے۔''

☆علامہ ابن تیمیہ، منہاج السنۃ میں خلیفہ کی ذمہ داریوں کے تحت لکھتے ہیں:

''ولان الوالی مااستحق ان یکون کذلک الالقیامه بامور المسلمین وحراسةالدین ونشره وتنفیذ الاحکام وتحصین الثغور، وجهاد من عاند الاسلام بعد الدعوة''.

(منہاج السنۃ)

''حکمران حکمران اور امام بننے کا استحقاق اسی وجہ سے رکھتا ہے کہ وہ ایک تو مسلمانوں کے تمام معاملات کا نظم کرتا ہے۔ دوسرے دین کی حفاظت اور نشر و اشاعت کرتا ہے، تیسرے احکام شرعیہ کی تنفیذ کرتا ہے۔، چوتھے سرحدوں کا دفاع مضبوط کرتا ہے، پانچویں وہ دعوت اسلام ملنے کے بعد نہ ماننے والوں کے خلاف جہاد کرتا ہے۔''

☆شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفاء میں تحریر فرماتے ہیں:

ودعوت جہاد اشہر واعظم صفات خلیفہ است (ازالۃ الخفاء:۱، ۲۷۷)

دعوت جہاد خلیفہ کی مشہور ترین اور سب سے بڑی صفات میں سے ہے

☆مبسوط میں ہے:

وعلی اما م المسلمین فی کل وقت ان یبذ ل مجهوده فی الخروج بنفسه او یبعث الجیوش والسرایا من المسلمین. (۔۱۲۔۵)

اور امام المسلمین کے ذمے یہ لازم ہے کہ وہ ہر وقت خود جہاد پر جانے کی مقدور بھر سعی کرے یا (خود نہ جا سکتا ہو تو) مسلمانوں کے لشکر روانہ کرے۔

☆فتاوی شامی میں ہے:

فیجب علی الامام ان یبعث سریة الی دار الحرب فی کل سنة مرة اومرتین وعلی الرعیة اعانته الا اذا اخذ الخراج ،فان لم یبعث کان کل الاثم علیه ،وهذا اذا غلب علی ظنه انه یکافئهم والافلایباح قتالهم بخلاف الامر بالمعروف .(رد المحتار. ج ۲.۱۹۲)

امام کے ذمے یہ لازم ہے کہ وہ دارالحرب (کافروں کے ملک پر چڑھائی کے لیے کم از کم سال) میں ایک مرتبہ یا دو مرتبہ لشکر روانہ کرے۔ اور عوام کے ذمے اس کے ساتھ تعاون لازم ہے الا

یہ کہ وہ خراج وصول کرتا ہو (ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ فوج اور خلیفہ کا لشکر یہ کام کرے گا)۔ اگر امام المسلمین ایسا نہیں کرے گا تو سارے کا سارا گناہ اس کے سر ہے۔ اور یہ اس صورت میں ہے جب اسے ظن غالب ہو کہ وہ مقابلہ کرلے گا۔ ورنہ (مسلمانوں کی جانوں کے بے فائدہ ضیاع کے پیش نظر) اس کے لیے قتال مباح نہیں۔ ہاں امر بالمعروف کی بات الگ ہے۔ (کہ اس میں اگر ہلاکت کا ظن غالب بھی ہو تب بھی وہ مشروع رہتا ہے)

☆ جہاد کے مقاصد کے طور پر علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

''ولان مافرض الجهادله هو الدعوة الى الاسلام واعلاء الدين الحق ودفع شر الكفرة وقهرهم'' .(بدائع الصنائع)

''جہاد کی فرضیت کا مقصد یہ ہے کہ دعوت الی الاسلام دی جائے، غلبہ دین ہو، کفار کی سرکشی کو کچلا جائے، اور انہیں محکوم وزیردست بنا کر رکھا جائے۔''

☆ قاضی ثناء اللہ پانی پتی تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں:

''ان الامر بالقتال والجهاد ليس لاجل الاكراه على الدين بل لدفع الفساد من الارض فان الكفار يفسدون فى الارض ويصدون عبادالله عن الهدى والعبادة فكان قتلهم كقتل الحيات والعقارب''

''قتال و جہاد کا حکم لوگوں کو دین اسلام قبول کرنے پر مجبور کرنے کے لیے نہیں ہے۔ بلکہ زمین سے فساد اور فتنے کے خاتمے کے لیے ہے۔ کیونکہ کفار زمین میں فساد پھیلاتے ہیں خلق خدا کو (اپنے طرح طرح کے دیدہ ونادیدہ، حسی ومعنوی ہتھکنڈوں کے ذریعے) راہ حق اور عبادت خداوندی سے روکتے ہیں۔ اس لیے ان کو قتل کرنا سانپوں اور بچھوؤں کو قتل کرنے کے مترادف ہوگا۔''

☆ حضرت شاہ ولی اللہؒ جہاد کا فلسفہ اور ضرورت واہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اعلم ان النبى صلى الله عليه وسلم بعث بالخلافة العامة وغلبة دينه على سائر اديان لا يتحقق الا بالجهاد واعداد الآلة فاذا تركو ا الجها د واتبعوا اذ ناب البقر ا حاط بهم ا لذل وغلب عليهم الخسرا ن. (حجۃ اللہ البالغہ)

نبی علیہ السلام کو (زمان ومکان کی تخصیص کے بغیر قیامت تک کے لئے اور پوری زمین کے لیے) عمومی اور کلی خلافت سے نواز کر مبعوث کیا گیا ہے، اور آپ کے دین کا باقی ادیان پر غلبہ جہاد اور اس کے اسباب کی تیاری ہی کے ذریعے ممکن ہے۔ چنانچہ اگر مسلمان جہاد کو چھوڑ دیں گے اور بیلوں کی دمیں پکڑ لیں گے (یعنی کھیتی باڑی میں اور دوسرے کاروباری مشاغل میں لگے رہیں گے) تو ذلت انہیں گھیر لے گی اور خسارہ ونقصان ان پر غالب آجائے گا۔

ان عبارات پر نظر ڈالنے کے بعد ایک قاری کے ذہن میں یہ سوال فطری اور لازمی طور سے پیدا ہوگا کہ

اگر غلبہ دین کے لیے جہاد صحابہ پر ختم ہو گیا تھا تو ان سارے فقہاء وعلماء اور ارباب فکر ودانش کو اس کی خبر کیوں نہیں ہوئی اور یہ سارے حضرات اسے شریعت کے ایک واضح اور محکم حکم کے طور پر کیوں ذکر کر رہے ہیں؟ کیا امت کا چنیدہ دل ودماغ کا یہ سرمایہ کسی اجتماعی غلطی میں مبتلا ہو گیا ہے؟

یہ بھی ذہن میں رہے کہ جمہور امت کی ان عبارات اور ان کی دیگر تحریرات سے جہاد کے بارے میں ملنے والا یہ تاثر صرف ہمارا نہیں بلکہ خود عمار خان صاحب بھی اسے تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''کلاسیکی فقہی ذخیرے میں جہاد کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ایک فرع قرار دیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو خدا کی طرف دعوت دینے کفر وشرک سے اجتناب کی تلقین کرنے اور ان کے تزکیہ واصلاح کے لیے انبیاء کا جو سلسلہ جاری فرمایا، کفار کے ساتھ جہاد بھی اسی کی ایک کڑی اور دعوت الی الحق کی ایک صورت ہے۔ اور امت مسلمہ پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی ہے کہ وہ دنیا کی کافر قوموں کو اسلام کی دعوت دے اور اگر وہ اسے قبول نہ کریں تو ان کے خلاف جہاد کر کے انہیں اپنا غلام بنالے''[۶]۔ (جہاد:۱۱۰)

فصل:

فقہاء کے تصور جہاد کی عقلی توجیہ:

فقہاء کا تصور جہاد یہ ہے کہ دین حق کی سربلندی کے لیے جہاد اپنی شرائط کے ساتھ قیامت تک اسی طرح باقی ہے جس طرح زمانہ رسالت اور دور صحابہؓ میں تھا، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک طرف خاتم النبیین ہیں اور دوسری طرف آپ کی نبوت عالمی اور روئے زمین پر بسنے والے تمام انسانوں کے لیے ہے اور انسانیت کے تمام طبقات آپ کے لائے ہوئے پیغام کے محتاج ہیں۔ اس پیغام کو پہنچانے کے لیے ارباب ثروت وشوکت اور اصحاب حکومت واقتدار کی کھڑی کی ہوئی ہر طرح کی حسی اور معنوی رکاوٹوں کو ختم کرنا ناگزیر ہوتا ہے اور یہ سب دین حق کی سربلندی اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے ہوتا ہے، اس لیے جہاد کی ہر زمانے اور خطے میں ضرورت رہتی ہے۔ اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے، مسند الہند شاہ ولی اللہؒ اپنی

[۶] موصوف کے اس آخری جملے پر ایک دفعہ دوبارہ نظر ڈال لی جائے کہ ''اگر وہ (یعنی کافر قومیں) اسے تسلیم نہ کریں تو ان کے خلاف جہاد کر کے انہیں اپنا غلام بنالے''۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ساری قوم کی قوم کو غلام بنالیا جائے، حالانکہ عمار صاحب کو یقیناً معلوم ہوگا کہ پوری مفتوح قوم کو غلام نہیں بنایا جاتا بلکہ غلام صرف ان لوگوں کو بنایا جاتا ہے جو جنگی قیدی ہوں، اور وہ بھی امام المسلمین کے لیے ایک اختیاری حکم ہے کہ وقتی مصلحت کا خیال کرتے ہوئے چاہے تو قیدی بنالے اور چاہے تو انہیں مسلمان حکومت کے آزاد شہری (ذمی) بن کر رہنے کی اجازت دیدے۔ (دیکھیے: ردالمحتار، ۶۔۲۲۰) فقہاء کے تصور کو من وعن بیان کرنے کے بعد عمار صاحب نے اپنی عبارت میں نہ جانے ایسا جملہ کیوں لکھ دیا ہے جو قاری کو لاشعوری طور سے فقہاء کے تصور کے حوالے سے بدظن کرتا ہے۔!!!

مشہور کتاب حجۃ اللہ البالغہ کے " باب الحاجة الی دین ینسخ الادیان " یعنی انسانیت کے لیے ایک عالمگیر دین کی ضرورت کے تحت لکھتے ہیں:

"و منها ان یدعو قوماً الی السنة الرا شدة و یز کیهم و یصلح شانهم ثم یتخذهم بمنزلة جوارحه، فیجاهد اهل الارض و یفرقهم فی الآفاق . و هو قوله تعالی کنتم خیر امة اخرجت للناس و ذلک لان هذا الامام (الراشد) نفسه لا یتاتی منه مجاهدة امم غیر محصورة."

''ایسے عالمگیر راہنما کے لیے ضروری ہے کہ وہ کسی قوم کو سنت راشدہ (صحیح طریقے) کی دعوت دے، ان کا تزکیہ کرے، ان کی حالت سنوارے اور پھر انہیں اپنے اعضاء (یعنی آلہ کار) بنا کر ان کے واسطے سے زمین والوں سے مجاہدہ کرے (یعنی جہاد اور دعوت دین کی محنت کرے) اور اس قوم کو زمین کے اطراف واکناف میں پھیلا دے۔یہی مطلب ہے خدا تعالی کے اس قول ''کنتم خیر امة'' کا۔ (اس قوم کی تربیت اور ان سے دعوت اور جہاد کا کام لینے کی ضرورت) اس وجہ سے ہے کہ خود اکیلے امام راشد(رسول اللہ ﷺ) کے لیے (دنیا کی) کی لاتعداد اقوام سے لڑائی اور دعوت دین کی محنت ممکن نہیں ۔''

اس عبارت میں شاہ صاحب نے ایک تو ہدف رسالت صرف کسی محدود خطے (جزیرۃ العرب اور روم و فارس) میں دین کا غلبہ قرار نہیں دیا بلکہ آپ ﷺ کی ابدی و عالمگیر نبوت کے لازمی تقاضے کے طور پر اسے روئے زمین اور آفاق تک وسعت دی، دوسرے صاف لفظوں میں آخر میں یہ بتایا کہ رسول اللہ کا ہدف اگرچہ لاتعداد اقوام کے ساتھ قتال و جہاد ہے لیکن چونکہ یہ کام خود اکیلے ایک آدمی کے لیے ممکن نہیں اس لیے ایک ایسی جماعت کا قیام ضروری ہے جو اس ہدف یعنی (بے شمار) اقوام تک دین کی دعوت پہنچانے اور نہ ماننے والوں سے قتال کا فریضہ سرانجام دے۔امر واقعہ بھی یوں ہی ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک جماعت تیار کی جو دنیا میں پھیل گئی اور (بغیر کسی تحدید و تخصیص کے) جہاں تک اس کا بس چلا سنت راشدہ کی ترویج اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے دعوت وقتال کا فریضہ سرانجام دیتی رہی۔اور پھر ان کے تیار کردہ لوگ آگے سے آگے اسی طریقے سے چلتے رہے اور اسی نہج پر دعوت حق اور مخالفین ومعاندین سے قتال کرتے رہے۔اور دیئے سے دیا جلتا رہا، اس بات کو شاہ صاحب نے یوں ذکر کیا ہے:

وذلک لان الاولین من المهاجرین والانصار کانو اسبب دخول قریش ومن حولهم فی الاسلام ثم فتح الله علی ایدی هولاء العراق والشام ثم فتح الله علی ایدی

ے مزید تفصیل کے لیے دیکھیے فقہی مقالات، جلد۳،ص:۲۹۱،مولفہ استاذ محترم حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی مدظلہ، بعنوان: جہاد اقدامی یا دفاعی؟

هولاء الفارس والروم ثم فتح الله على ايدى هولاء الهند والترك والسودان .فالنفع الذى يترتب على الجهاد يتزايد حينا فحينا ،يوما فيوماوهذا بمنزلة الاوقاف والرباطات والصدقات الجارية .(حجة الله: ج۲ :۴۳۸)

''یہ(یعنی جہاد کا صدقہ جاریہ ہونا)اس وجہ سے ہے کہ(جہاد کی بدولت)مہاجرین وانصار کے اولین لوگ قریش اورآس پاس کے(عرب کے)لوگوں کے اسلام میں داخل ہونے کا باعث بنے۔ پھراللہ رب العزت نے ان کے ہاتھوں عراق اورشام کوفتح کرایا پھران کے ہاتھوں فارس اورروم کوفتح کروایا۔پھران لوگوں کے ہاتھوں ہندوستان،ترکستان اورحبشہ کوفتح کروایا۔اس طریقے سے جہاد پر مرتب ہونے والا نفع لحہ بہ لحہ یوماً فیوماً بڑھتا چلا جاتا ہے۔اور یہ صورت حال اوقاف، رباط اور صدقات جاریہ کے قائم مقام ہی ہے''۔

اس کے بعدآگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے غلبہ دین کے لیے تیارکردہ اس جماعت کے جہاد کا طریقہ کاراور پالیسی ذکر کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ چونکہ ان کے پیش نظر دنیا بھر کی اقوام تھیں، جس کا تقاضا یہ تھا کہ ایسے اقدامات کیے جائیں جن کے اثرات وسیع اور عالمگیر ہوں چنانچہ اس کے لیے ضروری تھا کہ عالمی سطح پرموجود بدی کے سرچشموں کوختم کیا جائے۔اس زمانے کے اعتبار سے یہ سرچشمے دو تھے۔پہلا قیصر روم اور دوسرا کسری ایران۔قیصر کا اثر ونفوذ دنیا کے مغربی علاقوں پر تھااور کسری کا اثر ونفوذ مشرقی دنیاپر تھا۔ان دونوں پر کاری ضرب لگانے کا مطلب دنیا بھر کی اقوام پر بالواسطہ ضرب لگانا تھا۔چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے خدا کا نام لے کر یہ کام شروع کردیا۔شاہ صاحب لکھتے ہیں:

"و الاقاليم الصالحة لتولد الامزجة المعتدلة كانت مجموعة تحت ملكين كبيرين يومئذ. احدهما كسرى و كان متسلطا على العراق و اليمن و خراسان و ما وليها و كانت ملوك ما وراء النهر و الهند تحت حكمه يجبى اليه منهم الخراج كل سنة و الثانى قيصر و كان متسلطا على الشام و الروم و ما وليها و كان ملوك مصر و المغرب و الافريقة تحت حكمه يجبى اليه منهم وكان كسر هذين الملكين والتسلط على ملكهما بمنزلة الغلبة على جميع الارض وكان عاداتهم فى الترفه سارية فى جميع البلاد التى هى تحت حكمهما وتغيير تلك العادات وصدهم عنها مفضيا فى الجملة الى تنبيه جميع البلاد على ذلك وان اختلفت امورهم بعد. و قد ذكر الهرمزان شيئا من ذلك حين استشاره عمر فى غزاة العجم. و اما سائر النواحى البعيدة عن اعتدال المزاج فليس بها كثير اعتداد فى المصلحة الكلية و لذلك قال النبى ﷺ اتركوا الترك ما تركوكم و دعوا الحبشة ما دعوكم."

ترجمہ: دنیا کے اس وقت کے متمدن خطے دو بڑی سلطنتوں کے تحت تھے۔جن میں سے ایک کسری تھا جس کا عراق،یمن،خراسان اوراس کے آس پاس کے علاقوں پر براہ راست تسلط تھا،جبکہ ماوراء النہر

اور ہندوستان کے بادشاہ اس کے باجگذار تھے جن کی طرف سے ہر سال اسے خراج پہنچتا تھا۔ دوسرا قیصر تھا یہ شام اور روم وغیرہ کے علاقوں پر براہ راست قابض تھا جبکہ مصر، مغرب اور افریقہ کے بادشاہ اس کے باجگذار تھے۔ چنانچہ ان دونوں بادشاہوں کی کمر توڑنا اور ان کے ملکوں پر قبضہ کرنا پوری روئے زمین پر قبضے کے مترادف تھا۔ کیونکہ ان کے عیش وعشرت کی عادات ورسوم ان کے زیر اثر تمام علاقوں میں جاری وساری تھیں۔ ان کے طریقوں کو بدلنا اور انہیں ان بری عاداتوں سے روکنا فی الجملہ باقی تمام ممالک کے لیے وارننگ تھی اگر چہ بعد میں حالات بدل گئے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عجمیوں سے لڑائی کے سلسلے میں نومسلم ایرانی سردار ہرمزان سے مشورہ کیا تو اس نے اس سے متعلق کچھ باتیں ذکر کی تھیں۔

(یہ تو متمدن اقوام کی بات تھی) باقی رہے تمدن سے دور کے علاقے تو مصلحت کلی کے اعتبار سے یہ کسی شمار میں نہیں تھے (جس کی وجہ سے انکے ساتھ فوری تعرض کی ضرورت نہیں تھی)۔ اسی وجہ سے نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا تھا ترک جب تک تمہیں نہ چھیڑیں تم انہیں نہ چھیڑنا، اور حبشہ والے جب تک تم سے گریز کریں تم بھی ان سے گریز کرنا۔''

یہ تھی شاہ صاحب کی نظر میں فقہائے اسلام کے تصور جہاد کی توجیہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جہاد کا پس منظر بھی، نیز اس سوال کا جواب بھی کہ صحابہؓ کے ہاں قیصر وکسری کے جہاد کا حصہ زیادہ نمایاں کیوں تھا۔ یہ وجہ نہیں تھی کی صحابہ کا جہادی ہدف محدود تھا جیسا عمار صاحب کہتے ہیں بلکہ چونکہ شر کے عالمگیر سرچشمے یہ تھے اس لیے ان سے فوری تعرض کیا گیا۔ شاہ صاحب نے عمار خان صاحب کے استدلال کی ایک بنیادی روایت یعنی ترکوں اور حبشہ والی حدیث کی بھی ایک معقول توجیہ کر دی ہے کہ ان کو چھوڑنے کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ ذمہ داری میں داخل نہیں تھے بلکہ ان سے تعرض نہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت کی متمدن دنیا میں ان کا کوئی قابل ذکر اثر ورسوخ اور عمل دخل نہیں تھا۔ گویا قیصر وکسری کے مقابلے میں ان کی حیثیت وہی تھی جو قریش کے مقابلے میں دیگر عربوں کی تھی، اس اعتبار سے وہ ترجیحات کی اولین فہرست میں شامل نہیں تھے اور ایک خوابیدہ دشمن تھے جس کو از خود چھیڑنا جنگی حکمت کے لحاظ سے قبل از وقت تھا۔ ان کا معاملہ قیصر وکسری کے نتیجے پر موقوف تھا کہ اس کے بعد یا تو وہ خود ہی سرنگوں ہو جاتے یا سر اٹھاتے اور کچل دیے جاتے۔

(جاری ہے۔۔۔)

☆......☆......☆......☆

محترم نثار معاویہ صاحب، چکوال
خادم خاص: حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ

حسین یادیں

گوشۂ حیات......قائد اہل سنت، وکیل صحابہ، حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ

اتباعِ سنت......اور......آدابِ مجلس کا اہتمام :

حضرت اقدس نہایت نفیس طبیعت کے مالک تھے، پون صدی کی رفاقت میں ناچیز نے کبھی بھی کوئی کام حضرت اقدس کا خلاف سنتِ رسول نہیں دیکھا، آپ کی روزمرہ زندگی کا ہر کام سنت رسول کے مطابق ہوتا، آپ اس سلسلہ میں معمولی کوتاہی بھی نہ فرماتے تھے، اس رفاقت کے عرصہ میں کبھی نہیں دیکھا کہ آپ محفل میں تشریف فرما ہوں اور ناک میں انگلی سے کھجائیں یا ناک صاف کر رہے ہوں، اگر کبھی اس کی ضرورت ہوتی تو بائیں جیب میں ناک صاف کرنے کے لیے مخصوص رومال ہوتا، بائیں ہاتھ سے رومال کو نکالتے اور بائیں ہاتھ سے ہی ناک صاف کر کے واپس اسی جیب میں رکھ لیتے، سوائے وضو کے کبھی آپ کو بغیر رومال ناک صاف کرتے نہیں دیکھا۔ بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے لوگوں کی محفل میں بیٹھے ہوئے بے خیالی میں بات چیت کے دوران کبھی جسم کے کسی حصے کو کھجانے لگتے ہیں، کبھی اپنے پاؤں کو پکڑ لیتے ہیں، لیکن حضرت اقدس کو کبھی بھی اس طرح پاؤں سے کھیلتے ہوئے نہیں دیکھا، کھجلی ہونا فطری عمل ہے، لیکن ناچیز نے کبھی حضرت اقدس کو محفل میں بیٹھے ہوئے کھجاتے ہوئے نہیں دیکھا۔ آپ کے ہاتھوں پر خارش کی تکلیف تھی جس کے لیے ڈاکٹر صاحب نے مخصوص صابن تجویز کیا تھا جو راولپنڈی کے میڈیکل سٹور میں ویزلین کی صورت میں تیار ہوتا تھا آپ وہ استعمال فرماتے تھے، لیکن اس تکلیف کے باوجود کبھی کھجاتے نہیں دیکھا، البتہ بیٹھے بیٹھے ایک ہاتھ کی مٹھی بند فرمالیتے اور دوسرے ہاتھ سے اس مٹھی کو پکڑ لیتے اس ہاتھ کے انگوٹھے سے بند مٹھی کے انگوٹھے کو بہت آرام سے مسلتے تھے اسی طرح کچھ دیر بعد دوسرے ہاتھ کی مٹھی بند فرماتے اور دوسرے ہاتھ سے پکڑ کر اس طرح مسلتے کہ عام آدمی کو اس کا احساس بھی نہ ہوتا کہ آپ کیا کر رہے ہیں۔

عام طور پر لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ بات چیت کے دوران ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں پیوست کر کے بیٹھ جاتے ہیں لیکن حضرت اقدس کو کبھی بھی اس طرح انگلیاں ایک دوسرے میں پیوست کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔

حضرت اقدس کے روزمرہ کے معمولات زندگی میں یہ بات بھی خصوصیت کی حامل تھی کہ جب بھی

آپ تشریف فرما ہوتے تو نہایت وقار اور متانت کے ساتھ سمٹ کر تکیہ کے ساتھ ٹیک لگا کر تشریف فرما ہوتے کبھی بھی آپ کو محفل میں ٹانگیں دراز کر کے بیٹھا نہیں دیکھا، پاؤں میں آپ ہمیشہ جرابیں اور چمڑے کے موزے پہنتے جس سے عموماً ٹخنے سے کچھ اوپر کا حصہ ڈھکا رہتا تھا، آپ کی شلوار کے پائنچے درمیانہ سائز کے ہوتے، یہ بات خصوصیت سے محسوس ہوتی کہ بیٹھے ہوئے بھی پنڈلی کو ڈھانک کر رکھنے کی طرف آپ خصوصی توجہ فرماتے، (گو کہ پنڈلی ستر میں شامل نہیں) اگر آپ کو بیٹھے ہوئے محسوس ہوتا کہ جرابوں کے اوپر سے پنڈلی کا کچھ حصہ برہنہ ہے تو اہتمام سے اس کو ڈھانپ لیتے اس طرح ٹخنے بھی ننگے رہتے (گو کہ ٹخنے جرابوں میں پوشیدہ ہوتے) اور ٹانگوں کا معمولی حصہ بھی برہنہ نہ ہوتا، اس کا آپ خصوصی خیال فرماتے آخری کچھ عرصہ میں جب آپ ملاقات کے لیے باہر تشریف نہ لا سکتے تھے تو اپنے رہائشی کمرہ میں ہی ملاقات کیلئے لوگوں کو بلا لیتے، اس وقت چارپائی پر تکیوں کے سہارے ٹیک لگائے تشریف فرما ہوتے اور ضعف کی وجہ سے آپ نے ٹانگیں دراز کی ہوتیں لیکن اس وقت بھی اہتمام کے ساتھ کمبل ٹانگوں پر اوڑھ کر رکھتے آپ کا یہ عمل زندگی کی آخری شام کے وقت آنے والے احباب سے ملاقات تک رہا۔

حضرت اقدس کے شب و روز کے معمولات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق ہوتے۔ ضعف اور پیرانہ سالی میں جب آپ کے لیے چلنا بھی انتہائی دشوار ہوتا اس وقت بھی خود کو مشقت میں ڈال کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل پیرا ہونے کی کوشش فرماتے، مسجد میں داخل ہوتے وقت پہلے بائیں پاؤں سے چپل اتارتے اور بایاں پاؤں اس کے اوپر رکھتے، پھر دایاں پاؤں چپل سے نکال کر مسجد میں رکھتے اس کے بعد بایاں پاؤں مسجد میں رکھتے۔ جب مسجد سے باہر تشریف لاتے تو چپل باہر رکھ دیئے جاتے تو آپ پہلے بایاں پاؤں مسجد سے باہر نکال کر بائیں چپل کے اوپر رکھتے، پھر دایاں پاؤں مسجد سے باہر نکال کر پہلے اس میں چپل پہنتے اس کے بعد بائیں پاؤں میں چپل پہنتے، یہ آپ کا ہمیشہ کا معمول تھا۔ جب ضعف بڑھ گیا، پھر بھی معمول میں فرق نہ آیا، اس وقت مسجد میں داخل ہوتے وقت خدام آپ کے بائیں پاؤں سے جوتا اتار لیتے، آپ اس کے اوپر بایاں پاؤں رکھ لیتے پھر آپ کے دائیں پاؤں سے جوتا اتارتے تو آپ پہلے دایاں پاؤں مسجد میں رکھتے پھر بایاں پاؤں رکھتے۔ واپسی پر بایاں پاؤں پہلے نکال کر جوتے کے اوپر رکھ لیتے اور پھر جو خادم جوتے پہناتا اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر سہارا لیتے (کیونکہ خادم نیچے بیٹھا ہوتا تھا اس طرح آپ کو آسانی رہتی) اور پھر دایاں پاؤں مسجد سے باہر نکالتے تو خادم اس میں جوتا پہنا دیتا تو پھر بایاں جوتے کے اوپر سے اٹھاتے تو خادم اس میں جوتا پہنا دیتا۔

ضعف اور پیرانہ سالی میں اتنی مشقت تو برداشت فرما لیتے لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت پر ضرور عمل پیرا ہوتے۔ الحمدللہ اکثر یہ سعادت ناچیز گناہ گار کے حصہ میں ہی آتی، کبھی کبھار دوسرے احباب کو بھی یہ سعادت نصیب ہو جاتی۔

ایک مرتبہ ایک گاؤں میں جلسہ کے سلسلے میں تشریف لے گئے، جب واپس آنے لگے تو ناچیز کو ایک ساتھی نے کہا کہ حضرت اقدس کے جوتے میں پہناؤں گا، ناچیز نے جوتے اسے دے دیئے، جب حضرت اقدس دروازے کے پاس آئے تو وہ ساتھی بیٹھا ہوا تھا اس نے بائیں پاؤں کا جوتا اٹھا کر آگے کیا ہوا تھا کہ وہ حضرت اقدس کو پہناؤں، لیکن حضرت اقدس کھڑے رہے کچھ دیر ایسے ہی کھڑے رہے، ناچیز نے دیکھا تو سمجھ گیا، ساتھی کو اشارہ کیا کہ پہلے دایاں جوتا آگے کرو! اس نے اسی طرح کیا تو حضرت اقدس نے پہلے دایاں جوتا پہنا پھر بایاں پہنا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں منبر کے پاس کھجور کا نقشہ :

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر عمل سے حضرت اقدس کو والہانہ عشق تھا، اس کی اتباع اور پیروی کی ہر ممکن کوشش فرماتے، حدیث میں کھجور کے تنے کا ذکر آتا ہے، شروع شروع میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں کجھور کے ایک خشک تنے کا سہارا لے کر جمعہ کا خطبہ ارشاد فرماتے تھے، پھر بعد میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سہولت کے لیے آپ سے اجازت لے کر منبر بنوایا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر تشریف فرما کر خطبہ ارشاد فرمانے لگے تو اس کھجور کے خشک تنے سے رونے کی آواز آنے لگی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ گئے کہ وہ میری جدائی کی وجہ سے رو رہا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے نیچے تشریف لائے اور اس ستون کو سینے سے لگا لیا تو وہ اس طرح خاموش ہو گیا۔ جس طرح روتا بچہ ماں کی محبت بھری آغوش کو پا کر پرسکون ہو جاتا ہے۔ پھر اس ستون اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو ہوئی، اللہ تعالیٰ نے اس خشک کھجور کے ستون کو قوت گویائی عطا فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم چاہتے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں تو تُو ہرا بھرا ہو جائے اور قیامت تک تجھ پر پھل لگتا رہے، لیکن اس ستون نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم میں یہ نہیں چاہتا بلکہ میں یہاں بھی اور جنت میں بھی آپ کی رفاقت چاہتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو زمین سے اکھاڑ کر اپنے منبر کے نیچے دفن فرما دیا۔ یہ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عمل تھا لیکن حضرت اقدس کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشق کا اندازہ اس بات سے لگتا ہے کہ آپ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل کی بھی مشابہت کی۔ وہ اس طرح کہ مدنی جامع مسجد چکوال میں جو محراب ہے پورے محراب میں چپس اور بادامی رنگ کا پاؤڈر استعمال ہوا ہے۔ مصلیٰ کی جگہ اس کی نشاندہی ہے، لیکن جہاں لکڑی کا منبر رکھا جاتا ہے اس جگہ ہلکے سبز رنگ سے کھجور کے درخت کا نقشہ بنایا گیا۔ گویا اس عمل سے بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے مشابہت اور مطابقت مقصود تھی۔

تنبیہ کا انداز :

حضرت اقدس دوسروں کی عزت نفس کا بہت خیال فرماتے تھے، بڑی سے بڑی غلطی اور کوتاہی کسی ساتھی

سے ہوجاتی تو پھر بھی خود کچھ نہ فرماتے بلکہ کسی ساتھی کے ذریعہ اس شخص کو اس کی غلطی کی جانب متوجہ فرماتے، آپ کا مقصد اس کی اصلاح اور اسکی غلطی سے اس کا رجوع ہوتا لیکن جس کام سے شرعی حدود متاثر ہونے کا اندیشہ ہوتا تو نہایت سختی سے دوٹوک الفاظ میں تنبیہ فرماتے، اس سلسلہ میں کسی رعایت یا رواداری کا مظاہرہ نہ فرماتے تھے۔

زری کھسہ پہننے پر میزبان اور مہمان کو تنبیہ :

ایک مرتبہ ایک گاؤں میں جلسہ کے لیے تشریف لے گئے جوں ہی ویگن سے اترے میزبان بڑی محبت اور چاہت سے آپ کے استقبال اور ملاقات کے لیے آگے بڑھا، اچانک آپ کی نگاہ اس کے جوتوں پر پڑ گئی اس نے ''زری کُھسّہ'' پہنا ہوا تھا، آپ نے فوراً اس کو ہاتھ کے اشارے سے پیچھے ہٹ جانے کا فرمایا اور فرمایا کہ پاؤں میں جہنم کی آگ ڈال رکھی ہے یہ مرد کے لیے ناجائز ہے، وہ فوراً گھر گیا اور جوتے تبدیل کر کے آیا تو آپ نے بڑی خوشی سے اسے گلے لگالیا۔

ایک مرتبہ جمعہ کو چند نوجوان علماء جو ملتان اور فیصل آباد سے تعلق رکھتے تھے ملاقات کے لیے حاضر ہوئے، حضرت اقدس کا معمول تھا کہ جمعہ کے بعد احباب کے لیے گھر میں چائے کا انتظام فرماتے، مہمان آجاتے تو ان کے لیے مزید پر تکلف اہتمام فرماتے، جمعہ کی نماز کے بعد ساتھیوں اور مہمانوں کو بیٹھک میں بٹھا کر آپ اندر تشریف لے گئے، تھوڑی دیر بعد حضرت اقدس اندر سے تشریف لائے تو لوگوں کے جوتے دروازے کے باہر پڑے ہوئے تھے ان میں ہی ایک ملتانی زری کھسہ تھا، آپ نے بیٹھتے ہی پہلے یہ دریافت فرمایا کہ: وہ کس کا جوتا ہے؟ ایک مہمان عالم ساتھی نے کہا کہ یہ میرا ہے، آپ نے بڑے عجیب انداز میں انھیں سمجھایا کہ آپ عالم دین ہو کر اس بات کا خیال نہیں رکھتے کہ یہ جائز ہے کہ نہیں؟۔ یہ کوئی معمولی گناہ نہیں ہے، آپ کے فعل کو عام لوگ دلیل بنا لیتے ہیں، اس لیے ایسے امور سے اجتناب ضروری ہے۔

میزبان سے کسی قسم کا مطالبہ نہ کرنا :

تقریباً ۲۵ سال آپ کے ساتھ سفر وحضر میں شریک ہونے کی اللہ تعالیٰ نے خصوصی سعادت نصیب فرمائی، اس دوران دور ونزدیک کے کافی اسفار میں معیت کا موقع نصیب ہوا، لیکن کبھی بھی آپ نے میزبان سے کھانے پینے کے سلسلہ میں نہ تقاضا فرمایا نہ کسی قسم کی اس سلسلہ میں فرمائش کی۔ اگر دور دراز کا سفر ہوتا اور وہاں رات کا قیام ہوتا تو رات کو میزبان کھانے کے لیے لاتے لیکن آپ تقریباً آدھی چپاتی شوربہ سے تناول فرماتے، میزبان آپ کے لیے گوشت پکواتے لیکن کبھی آپ کو گوشت کھاتے نہیں دیکھا، معمولی سی ضرورت کے مطابق خوراک کھاتے، چائے کے بہت شوقین تھے، گھر میں آپ کے لیے بڑے اہتمام سے چائے تیار ہوتی تھی، سخت گرم چائے نوش فرمانے کی عادت تھی، لیکن گھر سے باہر کبھی اس سلسلہ میں بھی کسی کو زحمت دینا گوارا نہ فرماتے، جس قسم کی چائے یا دیگر اشیاء آجاتیں تو نوش فرمالیتے، کبھی بھی کسی چیز میں نقص نکالتے نہیں دیکھا۔

مفتی رب نواز حفظہ اللہ

زبیر علی زئی کا تعاقب

(......قسط 10......)

ماہنامہ ''الحدیث'' شمارہ 90 میں شائع شدہ ایک مضمون کا جواب

۶۹

رب نواز تقلیدی نے ماہنامہ صفدر گجرات (شمارہ نمبر ۷) میں حافظ ابن عبد البر اور حافظ خطیب بغدادی رحمہما اللہ سے عوام کے لیے تقلید کا لفظ بحوالہ ''دین میں تقلید کا مسئلہ ص ۴۴'' نقل کیا ہے۔ (ص ۴۵)

حالانکہ اس کا جواب ''دین میں تقلید کا مسئلہ'' میں اگلے صفحے (۴۵) پر وضاحت سے موجود ہے۔ اور اسی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے چند اہم باتیں پیشِ خدمت ہیں:

۶۹

اہلحدیث سے تقلید کا ثبوت

تقلید خصوصاً مطلق تقلید کے بہت سے اہلحدیث قائل ہیں زبیر علی زئی صاحب انہیں بھی ''تقلیدی'' کہا کریں، باقی رہا مذکورہ دعویٰ کا ثبوت تو وہ درج ذیل ہے:

محمد اسحاق بھٹی غیر مقلد نے ''اہلحدیث خدام قرآن'' میں بیالیسواں خادم ''مولانا سخاوت علی جون پوری'' بتایا ہے۔ اور ان کی کتاب ''جوابات سوالات تسعہ'' سے عبارت نقل کر کے یوں ترجمہ کیا ہے:

''اہل سنت کی صحیح تقلید یہ ہے کہ اس مسئلے میں کسی امام کی پیروی کرے جس میں رسول مقبول ﷺ سے کوئی نص صریح، صحیح، غیر منسوخ نہ پائے'' (برصغیر میں اہلحدیث خدام قرآن صفحہ ۱۸۸)

آل غیر مقلدیت کے شیخ الکل فی الکل میاں نذیر حسین دہلوی صاحب لکھتے ہیں:

''دس مسئلہ کی دلیل (مثلاً) جانتا ہے اور مسائل میں مقلد ہے تو یہ عیب کی بات نہیں، درست اور

حق ہے'' (معیار الحق صفحہ ۷۹ دوسرا نسخہ صفحہ ۷۳)

فضل حسین بہاری غیر مقلد لکھتے ہیں:

''تقلید مباح بھی ان علماء کے لیے ہے جو مجتہد نہ ہوں...... یہ تقلید بہ سبب شرط ان کنتم لاتعلمون کے مختص ہے حالت لاعلمی کے ساتھ'' (الحیات بعد الممات صفحہ ۲۱۵)

وکیل اہلحدیث محمد حسین بٹالوی صاحب لکھتے ہیں:

''مسائل اجتہادیہ میں غیر مجتہد کو اپنے رائے واجتہاد کو ترک کر کے کسی کی سلف صالحین سے تقلید کرنا جائز ہے اور یہ خالص اہلحدیث ہونے کے منافی ومخالف نہیں ہے بلکہ یہ بعینہ مذہب اہلحدیث ہے۔۔۔۔ غیر منصوصہ مسائل میں حنفی یا شافعی مذہب کی تقلید کر لینا اور اس نظر سے اہلحدیث ہو کر حنفی بھی کہلانا جائز ہے اور اس پر تشدد انکار محض تعصب ہے اور اصول وفروع سے جہالت کا نتیجہ ہے'' (اشاعۃ السنۃ جلد ۲۳ صفحہ ۱۴۴)

بٹالوی صاحب مزید لکھتے ہیں:

''جو شخص مجتہد نہ ہونے کے ساتھ ان مسائل میں جو قرآن وحدیث سے نہیں ملتے سلف صالحین، صحابہ وتابعین وغیرہم سے کسی نہ کسی کی تقلید وپیروی کرے وہ اہلحدیث ہو سکتا ہے جو سب کی تقلید وپیروی چھوڑ کر خود مجتہد بن بیٹھے وہ اہلحدیث نہیں رہتا بلکہ ایک نہ ایک دن دہریت والحاد میں مبتلا ہو جاتا ہے''

(اشاعۃ السنۃ جلد ۲۳ صفحہ ۱۵۳)

بٹالوی صاحب نے تقلید کے جواز میں اور بھی بہت کچھ کہا ہے جو اشاعۃ السنۃ جلد ۱۱ جلد ۲۲۔ جلد ۲۳ میں متفرق اور متعدد مقامات پر موجود ہے۔

ابوالقاسم محمد حسین حافظ آبادی صاحب، تقلید کی حمایت میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے نقل کرتے ہیں:

''مذاہب اربعہ کی تقلید جو مدون ہیں باجماع امت جائز ہے اور اس میں کسی معتد بہ شخص کا خلاف نہیں اور اس میں بہت مصلحتیں ہیں خصوصاً ایسے زمانہ میں جبکہ ہر ایک شخص اپنی ہی رائے کو پسند کرتا ہے اور اسی کی پیروی کرتا ہے'' (اشاعۃ السنۃ، جلد ۲۲، صفحہ ۲۸۱)

مجدد آل غیر مقلدیت نواب صدیق حسن خان نے اپنی کتاب ''الدین الخالص صفحہ ۵۱۵'' میں تقلید کو کار ثواب بتایا ہے، دیکھئے حاشیہ نمبر ۱۴۔

ثناء اللہ امرتسری صاحب نے اعتراف کیا ہے کہ:

''جس مسئلہ میں قرآن وحدیث نہ ملے اس میں اجماع وآثار کی تقلید یا پیروی جائز ہے''

(اشاعۃ السنۃ جلد ۲۳ صفحہ ۲۲۱)

اسماعیل سلفی صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''اگر مقلد قرآن، حدیث کے خلاف مسائل چھوڑنے پر آمادہ ہو جائے تو یہ تقلید کی قابل برداشت اور مناسب ترین صورت ہے میاں صاحبؒ اور حافظ ابن قیم نے اسے گوارہ فرمایا ہے''

(تحریک آزادی فکر صفحہ ۴۹۱)

غیر مقلدین کے ''مولوی'' عبدالجبار غزنوی صاحب فرماتے ہیں:

''اگر محل تاویل واحتمال ہو اس جگہ صحابہ وتابعین کی تقلید کا خلاف نہ کریں''

(اشاعۃ السنۃ جلد ۲۳ صفحہ ۱۰۶)

آل غیر مقلدیت کے شیخ الاسلام ثناء اللہ امرتسری صاحب سے سوال ہوا کہ ''امام کی تقلید ایمان میں کوئی فتور پیدا کرتی ہے یا نہیں؟ امرتسری صاحب نے اس کا جواب یوں دیا ہے:

''اس سوال کا جواب شمس العلماء مولانا سید نذیر حسین صاحب دہلوی المعروف میاں صاحب نے اپنی کتاب ''معیار الحق'' میں دیا ہوا ہے مرحوم نے مسئلہ تقلید شخصی کو چند قسموں میں تقسیم کیا ہے ان میں سے ایک قسم مباح بتائی ہے یعنی اس پر کوئی گناہ مرتب نہیں ہو سکتا''

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ا صفحہ ۲۵۲۔فتاوی علمائے حدیث جلد ۱۱ صفحہ ۱۹۰)

فضل الرحمٰن بن میاں محمد صاحب غیر مقلد تقلید پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مولانا (ثناء اللہ امرتسری) نے اس مسئلہ کو حل کرنے میں اپنی عادت محمودہ کے مطابق قرآن و حدیث اور کتب فقہ کے حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ ایک عامی کے لیے تقلید تو جائز ہے لیکن اس میں تخصیص جائز نہیں'' (حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری صفحہ ۹۸)

فتاویٰ علمائے حدیث میں لکھا ہے:

''ان سب سوالوں کا جواب با ثواب مولانا نذیر حسین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب معیار الحق میں ملتا ہے جس میں تصریح ہے کہ تقلید چار قسموں پر ہے......قسم اول اور دوم جائز لکھی ہیں اور قسم سوم اور چہارم ممنوع'' (فتاویٰ علمائے حدیث جلد ۱۱ صفحہ ۱۰۷)

زبیر علی زئی صاحب کے ''شیخ الاسلام، حجۃ الاسلام'' محمد گوندلوی۔(فاتحہ خلف الامام صفحہ ۱۱) لکھتے ہیں:

''اس مسئلہ پر میں نے پہلے مختصر تحریر لکھی ہے جس میں ثابت کیا ہے کہ تقلید جائز اور ناجائز کے متعلق محققین حنفیہ اور محققین اہلحدیث کا کوئی اختلاف نہیں جس کا جی چاہے وہاں (الاصلاح صفحہ ۱۵۸، ناقل) سے دیکھ لے'' (الاصلاح صفحہ ۲۳۰)

ڈاکٹر عبدالرحمٰن بن عبدالجبار الفریوائی غیر مقلد، الاصلاح کے مقدمہ میں گوندلوی صاحب کے متعلق لکھتے ہیں:

''آگے چل کر تقلید کن لوگوں کے لیے جائز ہے اور کن لوگوں کے لیے حرام اور ناجائز؟ اس کی تفصیل پیش کی ہے'' (تقدیم، الاصلاح صفحہ ۱۰۷)

مطیع اللہ سلفی غیر مقلد، عطاء اللہ حنیف بھوجیانی کے کارناموں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ کارنامے ہمارے لیے لائق تقلید ونمونہ ہیں'' (الاعتصام: اشاعت خاص، بھوجیانی صفحہ ۸۰۳)

صلاح الدین یوسف غیر مقلد، چوہدری محمد صدیق نامی شخص کے حالات میں لکھتے ہیں:

''ان کی یہ خوبی اہل ثروت کے لیے قابل تقلید ہے کہ جس کی امداد کرتے بھرپور طریقے سے کرتے'' (الاعتصام لاہور ۱۵ محرم ۱۴۱۳ھ صفحہ ۲۳)

فضل کریم عاصم صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''احباب کو ان (محمد یوسف سیٹھ کلکتوی) کا جو جواب تھا وہ ہر سلفی کے لیے خاص طور پر اور ہر مسلمان کے لیے عام طور پر سبق آموز اور قابلِ تقلید ہے۔'' (تحریک اہلحدیث کے عالمی مراکز کا مطالعاتی سفر ۳۵۶)

ڈاکٹر ریاض الحسن نوری صاحب اپنے استاذ عطاء اللہ حنیف غیر مقلد کے حالات میں لکھتے ہیں:

''مولانا محترم کا یہ زہد اور سنن وآثار پر عمل ایک بہت ہی قابل تقلید مثال ہے''

(الاعتصام: اشاعت خاص، بیاد بھوجیانی صفحہ ۹۸۶)

غیر مقلدین کے رسالہ ''الاعتصام'' کے سابق مدیر محمد اسحاق صاحب نے عبدالقادر حصاروی صاحب سے کہا:

''مقلدین کو آپ نے فرقہ ناجیہ سے خارج قرار دیا ہے یہ میرے لیے محل تامل ہے کیونکہ مذاہب اربعہ میں بڑے بڑے اولیاء اور فقہاء گزرے ہیں جن کی بزرگی اور تقویٰ علماء میں مسلم ہے''

(فتاویٰ علمائے حدیث جلد ۱۱ صفحہ ۱۱۴)

محمد فاخر الہ آبادی صاحب فرماتے ہیں:

''مقلد کا ایمان صحیح ہے البتہ کتاب وسنت سے استدلال ترک کرنے کی وجہ سے گنہگار ہے''

(رسالہ نجاتیہ صفحہ ۴۱ بحوالہ اہلحدیث کون؟ صفحہ ۱۹)

زبیر علی زئی صاحب ان کا یوں تعارف کراتے ہیں:

''الشیخ العالم الکبیر المحدث محمد بن فاخر......السّلفی، الہ آبادی'' (دین میں تقلید کا مسئلہ صفحہ ۴۱)

الہ آبادی صاحب کی تصریح کے مطابق کوئی شخص دلائل طلب کیے بغیر ایمان قبول کر لیتا ہے تو اس کا یہ تقلیدی ایمان معتبر ہے اور وہ مؤمن ہی شمار ہوگا......اور اگر کسی غیر مقلد کو ان کا کلام ''استدلال ترک کرنے

کی وجہ سے گنہگار رہے'' عجیب لگے تو وہ اس کا جواب امام اہلحدیث وحید الزمان صاحب کی ''شرح مسلم اردو جلد ا صفحہ ۸۹۔۱۰۶...... اور ان کی کتاب'' ھدیۃ المھدی جلد ا صفحہ ۱۱۳، دیکھ لے، اس کا حاصل یہ ہے عامی شرعی طور پر دلائل کی معرفت کا مکلّف نہیں ہے۔

اہلحدیث حضرات اپنے مقلد ہونے کا اعتراف بھی کرتے ہیں جیسا کہ حاشیہ نمبر ۱۲، ۱۳ میں گزر چکا اور ان کے تقلید کرنے کے شواہد آگے حاشیہ نمبر ۸۷ میں بھی آ رہے ہیں ان شاء اللہ، آگے حاشیہ نمبر ۱۰۱ میں مذکور ہوگا کہ وہ تقلید کو واجب بھی مانتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ وہ مذموم تقلید بھی کیا کرتے ہیں جیسا کہ حاشیہ نمبر ۴۵ میں مذکور ہوا۔ ان سب باتوں کے ہوتے ہوئے زبیر علی زئی صاحب اپنے ان اہلحدیثوں کو ''تقلیدی یا آل تقلید'' کیوں نہیں کہتے، ہے کوئی جواب؟

۷۰

وہ وضاحت ہم نے پڑھی ہے اس میں ایک بات یہ مذکور ہے کہ مسئلہ پوچھنا تقلید نہیں ہے...... مگر ہم نے ''مجلّہ صفدر'' کے اسی شمارہ میں (جس میں ابن عبد البر وخطیب بغدادی رحمہما اللہ کی عبارات درج ہیں) تین صفحات پر مشتمل آل غیر مقلدیت کی عبارات وفتاویٰ درج کیے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مسئلہ پوچھنا بھی تقلید ہے دیکھئے مجلّہ صفدر شمارہ نمبر ۷ صفحہ ۴۶ تا ۴۹۔

علی زئی صاحب نے حافظ ابن عبد البر اور علامہ خطیب بغدادی کی عبارات پر تو کچھ نہ کچھ لکھا مگر اور کسی حوالہ کا کوئی جواب نہیں دیا۔

دین میں تقلید کا مسئلہ صفحہ ۴۵ پر دوسری بات یہ تحریر ہے کہ اتباع اور تقلید میں فرق ہے۔۔۔ مگر ہم نے مجلّہ صفدر شمارہ نمبر ۸۔۹۔۱۱ تین قسطوں میں خود غیر مقلدین کی زبانی ثابت کر دیا ہے اتباع وتقلید میں فرق کرنا درست نہیں ہے۔

علی زئی صاحب سے ان کا کوئی جواب نہیں بن پڑا، الٹا تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے کہہ رہے ہیں، اس کا جواب ''دین میں تقلید کا مسئلہ'' میں اگلے صفحے (۴۵) پر وضاحت سے موجود ہے۔''

۷۱

آپ کی پیش خدمت چند اہم باتوں کو ہم پڑھ چکے ہیں ان میں سے بعض کا جواب مجلّہ صفدر کی کئی اقساط میں خود آل غیر مقلدیت کی زبانی آ چکا ہے بقیہ کا جواب آئندہ حواشی میں آ رہا ہے ان شاء اللہ۔

(جاری ہے۔۔۔)

☆......☆......☆......☆

احسن خدامی

امیر عبدالقادر الجزائری

امیر عبدالقادر الجزائر کے باشندے تھے۔ جب فرانس نے الجزائر پر قبضہ کیا تو امیر نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر فرانس کے خلاف جنگ شروع کردی۔ کم وبیش اٹھارہ سال تک جدوجہد جاری رکھی، مگر جب بدستور حالات ان کے مخالف ہوتے گئے تو بالآخر انہوں نے عزت اور شہادت کی موت کو قبول کرنے کی بجائے پسپائی اور شکست کا راستہ اختیار کیا اور اپنے آپ کو فرانسیسیوں کے حوالے کردیا۔ کچھ عرصہ فرانسیسیوں کی قید میں رہنے کے بعد انہیں جلاوطن کردیا گیا اور انہوں نے اپنی جلاوطنی کے دن ترکی اور شام میں گزارے۔ شام میں ایک موقع پر، جب عیسائیوں کے بعض اقدامات کی وجہ سے مسلمانوں میں ان کے خلاف نفرت و اشتعال کا بازار گرم تھا، اور عیسائیوں کا قتل عام شروع ہونے کو تھا، امیر عبدالقادر الجزائری عیسائیوں کے محافظ بن کر میدان میں اتر آئے اور اپنی تمام تر توانائیاں عیسائیوں کے تحفظ کیلئے صرف کر دیں۔ اس کارنامے کی بناء پر وہ اہل یورپ اور کفار وملحدین کے منظورِ نظر بن گئے اور پھر ہر موقع پر ان ہی کی جھولی میں نظر آئے۔ امریکی ومغربی میڈیا نے دل کھول کر جابجا انہیں خراج تحسین پیش کیا، فرنگی حکمرانوں نے ان کو اعلیٰ انعامات اور تمغوں سے نوازا، ان کیلئے بڑی بڑی تنخواہیں اور عالیشان مراعات مقرر کیں۔ اور ایک دن وہ اس دار فانی سے دار القرار کی جانب کوچ کر گئے۔

ایک امریکی مصنف ''جان ڈبلیو کائزر'' نے امیر عبدالقادر الجزائری کی شان میں ایک کتاب تصنیف کی۔ کتاب کا اردو ترجمہ پاکستان میں شائع کیا گیا جس پر وقیع تقریظات کی مہر لگائی گئی۔

امیر عبدالقادر الجزائری کون تھے؟ ان کا کردار کیا تھا؟ ان کی شکست کے اسباب کیا تھے؟ ان کا ہتھیار ڈالنے کا فیصلہ صحیح تھا یا غلط؟ اپنے آپ کو کفار کے حوالے کردینے کے بعد ان کی سوچ اور فکر میں کیا تبدیلی آئی؟ اس کے بعد ان کا کردار کیا رہا؟ ان کے طرز عمل سے کس کو فائدہ پہنچا؟ کس کو نقصان ہوا؟ پوری دنیا کے کفار اور مسلم دشمن فرنگی ان سے کیوں محبت کرتے تھے؟ سرِ دست ہم ان تمام سوالوں کو ایک طرف رکھتے ہیں۔ اس وقت صرف ہمیں یہ عرض کرنا ہے کہ جس چیز کو ان کا کارنامہ ذکر کیا جاتا ہے، کیا وہ واقعی کارنامہ تھا؟ اور کیا اس وقت کے عالم اسلام کیلئے امیر عبدالقادر الجزائری ہی ایک آئیڈیل شخصیت ہیں؟

سب سے پہلے امیر عبد القادر الجزائری کی مذکورہ سوانح کے فاضل مقرظین کی بھاری بھرکم تقریظات پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔ چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیں۔ مولانا زاہدالرشدی مدظلہم کتاب کے مقدمہ میں امیر کا تعارف کراتے ہوئے فرماتے ہیں:

انہوں نے ۲۳ دسمبر ۱۸۴۷ء کو ایک مشروط معاہدے کے تحت خود کو فرانسیسیوں کے حوالے کیا تھا، مگر ان کی شرائط کو قبول کئے جانے کے بعد بھی حسب معمول بالائے طاق رکھ دیا گیا تو ایک موقع پر انہوں نے اس طرح حسرت کا اظہار کیا کہ:

''اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ ہمارے ساتھ یہ کچھ ہونا ہے جو ہو رہا ہے تو ہم جنگ ترک نہ کرتے اور مرتے دم تک لڑتے ہی رہتے۔''

اس سے پتہ چلتا ہے کہ الجزائری صاحب اپنے ہتھیار ڈالنے کے فعل پر خود بھی نادم وشرمندہ تھے، مگر اس کے باوجود حضرت راشدی صاحب، الجزائری کے اس فعل کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ان کے سوانح وافکار اور عملی جدوجہد کے بارے میں جان کائزر کی یہ تصنیف نئی پود کو ان کی شخصیت اور جدوجہد سے واقف کرانے میں یقیناً مفید ثابت ہوگی۔''

حیرت ہے کہ جو شخص اپنے جس کارنامے پر خود شرمندہ ہے، حضرت راشدی صاحب اس کے اس کارنامے سے نئی نسل کو روشناس کروانے کو ہماری دینی وملی ضرورت اور مذہبی فریضہ قرار دیتے ہیں۔ اسی پر بس نہیں، اور سنیئے! جناب عمار خان ناصر صاحب ارشاد فرماتے ہیں:

''امیر کی جدوجہد سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ وہ مسلمانوں کے جان ومال کو جنگ میں بے فائدہ ضائع کروانے اور ایک لا حاصل جدوجہد کے جاری رکھنے کو شرعی تقاضا نہیں سمجھتے اور ان کے نزدیک کسی غیر مسلم قابض کے خلاف جہاد کی ذمہ داری اسی وقت تک عائد ہوتی ہے، جب تک اس کی کامیابی کیلئے درکار عملی اسباب ووسائل میسر اور امکانات موجود ہوں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی جدوجہد کے آخری مرحلے پر جب یہ دیکھا کہ الجزائری قوم ان کا ساتھ چھوڑ کر فرانسیسی کیمپ کا حصہ بن چکی ہے، اور خود ان کے ساتھ وابستہ ایک چھوٹا سا گروہ بھی مسلسل خطرے میں ہے، تو انہوں نے کسی جھجک کے بغیر نہایت جرأت سے یہ فیصلہ کر لیا کہ الجزائر کی سرزمین پر فرانس کی حکمرانی خدا کی منشاء ہے اور اس کو تسلیم کر لینا ہی دانشمندی ہے۔''

مزید لکھتے ہیں:

''امیر عبد القادر کو جن حالات کا سامنا تھا اور انہوں نے جن شرعی واخلاقی اصولوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایک غاصب استعماری طاقت کے خلاف جدوجہد کی، وہ نہ صرف یہ کہ اسلام کے تصور جہاد کی

بڑی حد تک ترجمانی کرتی ہے، بلکہ اس میں عصر حاضر کے ان جہادی عناصر کیلئے بھی راہنمائی کا بڑا سامان موجود ہے جو بدقسمتی سے اشتعال اور انتقام کے جذبات سے مغلوب ہوکر جہاد سے متعلق واضح شرعی وفقہی اصولوں کو پامال کرنے پر اتر آئے ہیں اور یوں اپنی جد وجہد سے الٹا اسلام اور امت مسلمہ کیلئے بدنامی اور نقصان کا باعث بن رہے ہیں۔''

یہ بھی عجائب عالم میں سے ہے کہ جس شخص کی ساری زندگی ہی ''شرعی وفقہی اصولوں'' کو روندنے میں گزری ہے اور جو اجماع امت تک کا منکر ہے، وہی شخص ''شرعی وفقہی اصولوں'' کی پامالی پر مجاہدین اسلام کو کھری کھری سنا رہا ہے۔ فیاللعجب

کسی کی بھی تعریف وتوصیف میں دریا دل رکھنے والے ہمارے محترم بزرگ مولانا عبدالقیوم حقانی اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''امیر عبدالقادر نے جب فرانس کی بھرپور حربی طاقت کے مقابلے میں اپنی فوجی قوت کا جائزہ لیا تو مکمل تباہی کے علاوہ کچھ نظر نہ آیا۔ ایسے وقت میں انہوں نے ایک دانشمندانہ فیصلہ کیا اور اپنے ہم وطنوں اور ساتھیوں کو مروانے کے بجائے زندہ رکھنے کا فیصلہ کیا۔''

آگے لکھتے ہیں:

''یہ کتاب معروضی حالات سے آنکھیں بند کرکے محض جوش سے کام لینے والے روایتی دوستوں کو شائد پسند نہ آئے، مگر سعید روحوں کیلئے اس میں بڑے سبق ہیں۔ سب سے بڑا سبق یہ ہے کہ جب حالات موافق نہ ہوں تو خود کو اور اپنی قوم کو بچالینا سب سے بڑی بہادری ہوتی ہے۔''

مزید فرماتے ہیں:

''بحیثیت مسلمان ہمیں یہ سوچنا ہوگا کہ ہر ایک سے جنگ وجدل، مخالفت اور مخاصمت نے ہمیں کیا دیا ہے؟ کیا ہم ''مسلمان'' بن کر نہیں رہ سکتے؟''

یہ کتاب اور اس پر موجود تقاریظ پڑھ کر ہم واقعتاً حیرت واستعجاب کے سمندر میں غلطاں ہیں۔ یا تو جن عظیم شخصیات سے ہمیں آج تک روشناس کرایا جاتا رہا ان کی عظمت وبلندی محض افسانہ تھی اور یا پھر امیر عبدالقادر کے مداحین کی ان کی شان میں مدح سرائی کسی گہری سازش کا شاخسانہ ہے۔ آج تک تو ہم یہی سمجھتے رہے کہ ہمارے اسلامی ہیرو اور مسلمان مجاہد ٹیپو سلطان تھے جنہوں نے ہتھیار ڈال دینے کی ذلت قبول کرنے کی بجائے شیروں کی طرح لڑتے ہوئے

''شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سوسالہ زندگی سے بہتر ہے''

کا نعرہ لگا کر مردانہ وار جام شہادت نوش کیا۔ ہم تو آج تک امیر عبدالقادر الجزائری کے ہمعصر، امیر المؤمنین

حضرت سید احمد شہیدؒ کے گن گاتے رہے، جنھوں نے بالاکوٹ کی وادیوں کو اپنے سرخ لہو سے رنگین کر دیا، مگر آخری سانس تک حق کا پرچم جھکنے نہیں دیا۔ آج تک ہم اپنے اسلاف کرام اور اکابر عظام سے بالاکوٹ کی لہو رنگ وادیوں ہی کی داستانیں سنتے رہے، امیر عبدالقادر الجزائری کے جہاد سے ہمیں عزت مآب جان کائزر سے پہلے کسی نے آگاہ نہ کیا۔ ہم تو رسول اللہ ﷺ کے ان جانثار صحابہؓ کے تذکروں سے لہو کو گرماتے رہے جنھوں نے

نحن اللذین بایعوا محمدا   علی الجهاد ما بقینا ابدا

کا ایمان افروز نعرہ بلند کیا اور پھر اپنی جان، مال، اولاد سب کچھ جناب رسول اللہ ﷺ پر قربان کر دیا، مگر آپ کے نام اور آپ کی عزت و ناموس پر آنچ نہیں آنے دی۔ تین سو تیرہ ہو کر ایک ہزار سے ٹکرا گئے، سات سو ہو کر دس ہزار سے بھڑ گئے، اور صرف تین ہزار پر مشتمل لشکر کو لے کر دو لاکھ کے ٹڈی دل سے پنجہ آزما ہو گئے۔ ہم تو طارق بن زیادؒ کو ہمیشہ اپنا ہیرو گردانتے رہے جس نے ''زمینی حقائق'' سے چشم پوشی کرتے ہوئے

ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست

کہہ کر اپنا ہی بحری بیڑہ نذر آتش کر دیا۔ اور فتح یا شہادت کے علاوہ باقی تمام راستوں کو خود مسدود کر دیا۔

لیکن زیر نظر کتاب اور اس پر درج ''انتہائی معتبر'' تقریظات ملاحظہ کرنے کے بعد ہمیں یوں لگتا ہے کہ یہ سب لوگ ہمارے ہیرو نہیں تھے بلکہ ''اشتعال اور انتقام کے جذبات سے مغلوب ہو کر جہاد سے متعلق واضح شرعی و فقہی اصولوں کو نظر انداز کرنے'' اور ''اسلام اور امت مسلمہ کیلئے بدنامی اور نقصان کا باعث'' بننے والے تھے۔

پھر ہمارے ''اصل'' ہیرو کون تھے؟ شائد عبد اللہ بن ابی، میر جعفر، میر صادق اور قرطبہ کا غدار حکمران ابو عبد اللہ...... ان سب کے کارنامے جناب امیر عبدالقادر الجزائری سے ملتے جلتے ہیں۔ ان سب نے اعلیٰ درجے کی حکمت و فراست سے کام لیا اور اس راز کو سمجھا کہ ''ان میں سے ہر ایک کی سرزمین پر کفار کی حکمرانی خدا کی منشاء ہے اور اس کو تسلیم کر لینا ہی دانشمندی ہے۔'' ان میں سے ہر ایک نے ایک لا حاصل جنگ میں اپنا اور مسلمانوں کا جان و مال جھونکنے سے انکار کیا اور اپنی اور اپنے ساتھیوں کی جان بچا کر ''سب سے بڑی'' عقلمندی اور دانشمندی کا ثبوت دیا۔

حیرت اور تعجب تو اس بات پر ہے کہ ''افغان طالبان کی استقامت کو سلام'' کرنے والے بھی اس کتاب کے مداحین میں سرفہرست ہیں۔ حالانکہ انہیں ''جنرل پرویز کی بہادری و شجاعت کو سلام'' کرنا چاہئے تھا، جو جذبۂ جہاد کے ساتھ ساتھ فراست و تدبر کی نعمت سے بھی مالا مال تھے۔ اور ''انہوں نے جب یہ دیکھا کہ وہ حرب و جنگ کے ذریعے امریکی استعمار کے خلاف جنگ جیتنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں تو انہوں نے اس

معروضی حقیقت کو تسلیم کر لیا'' اور باقی عمر امریکی غلامی میں بڑی بہادری سے گذاری۔ اگر چہ ''معروضی حالات سے آنکھیں بند کر کے محض جوش سے کام لینے والوں کو ان کا یہ عظیم کارنامہ پسند نہیں آیا'' مگر ''سعید روحوں نے اس سے بہت سبق حاصل کئے۔'' ''سب سے بڑا سبق یہ کہ جب حالات موافق نہ ہوں تو خود کو اور اپنی قوم کو بچا لینا ہی سب سے بڑی بہادری ہوتی ہے۔'' جنرل پرویز نے اسی بہادری کا مظاہرہ کیا، جبکہ امیر المومنین ملا محمد عمر مجاہد نے ''جہاد کے متعلق واضح شرعی وفقہی اصولوں کو پامال کیا''۔ اب چاہئے کہ زیر نظر کتاب پر تقریظ ثبت کرنے والے مزید ''ایمانی غیرت'' کا مظاہرہ کرتے ہوئے ''افغان طالبان کی استقامت کو سلام'' کی بجائے ''جنرل پرویز کی بہادری کو سلام'' کے عنوان سے شعلہ نوائی فرمائیں۔

جناب مولانا عبد القیوم حقانی صاحب کے یہ الفاظ جتنی مرتبہ پڑھتا ہوں، ابکائی آنے لگتی ہے، فرماتے ہیں:

''بحیثیت مسلمان ہمیں سوچنا چاہئے کہ ہر ایک کے ساتھ جنگ و جدل اور مخاصمت نے ہمیں دیا کیا ہے، کیا ہم ''مسلمان'' بن کر نہیں رہ سکتے؟''

جناب مولانا حقانی صاحب سے عرض ہے کہ ہم تو اس نبی ﷺ کے امتی ہیں جن کی آخری تمام عمر اللہ اور اللہ کے دین کے دشمنوں کے ساتھ جنگیں کرتے ہوئے گذری۔ اور جب آپ ﷺ دنیا سے رخصت ہو رہے تھے تو اس وقت بھی حضرت اسامہ بن زیدؓ کی سربراہی میں ایک لشکر جرار دشمنان اسلام پر حملہ آور ہونے کیلئے تیار تھا۔ ہمیں تو اپنے نبی ﷺ کا یہی اسوہ پسند ہے، اگر کوئی اس اسوہ کو چھوڑ کر ''صرف مسلمان'' بن کر رہنا چاہتا ہے تو شوق سے رہے۔ ہم ایسی ''مسلمانی'' سے سخت بیزار ہیں اور اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔

امیر عبد القادر الجزائری کے مداحین کا یہ بھی فرمانا ہے کہ: الجزائری صاحب، مولانا عبید اللہ سندھیؒ سے کافی مماثلت رکھتے ہیں۔ اگر مولانا عبید اللہ سندھیؒ بھی کفار سے ایک ایک لاکھ روپیہ تنخواہ لیتے، ان سے تمغے وصول کر کے سینے پر سجا کر پھرتے تو شائد ہم اس بات کو تسلیم کر لیتے، مگر شکر الحمد للہ کہ مولانا عبید اللہ سندھیؒ یا ان کے قوم قبیلے کے کسی ایک فرد کے دامن پر ایسا ایک بھی داغ نہیں ہے۔ دشمنان اسلام سے جائیدادیں، ڈالر، تمغے، تنخواہیں وصول کرنا سر سید احمد خان، میر جعفر، میر صادق، اور دیگر غدارانِ اسلام کا شیوہ ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ اور ان کے قافلے کے سرفروشوں نے ان حقیر ''اعزازات'' کو ہمیشہ حقارت سے ٹھکرایا ہے اور ٹھکراتے رہیں گے۔ ان شاء اللہ العزیز

☆......☆......☆......☆

مولانا حسین احمد مدنی، بہاول پور

امت مسلمہ کے چند اجماعی عقائد
......اور......
جناب عمار خان ناصر کی بہادریاں

یہ تو حقیقت ہے کہ تہتر (۷۳) فرقے بنیں گے، ایک ناجی ہوگا، بہتر (۷۲) فرقے ناری ہونگے، معیار اور کسوٹی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتادیا "ماانا علیہ و اصحابی" اس طرح آپؐ نے فرمایا: اعمال میں جلدی کرو! ان فتنوں کے آنے سے قبل کہ جب بندہ صبح کو مومن ہوگا تو شام کو کافر، شام کو مومن ہوگا تو صبح کو کافر۔ اس وقت حق اور باطل کو جاننے کے باوجود ایسی ایسی جزئیات وجود میں آئی ہیں جو حق سے ذرہ بھر بھی میل نہیں کھاتیں، الٹا ان پر وبال کا سبب بنتی ہیں کبھی کبھی تو خروج عن الاسلام کا بھی خدشہ ہو جاتا ہے (الامان والحفیظ)

یہ بات تو اظہر من الشمس ہے کہ آپؐ نے جو کچھ فرمایا وہ ہو کر رہے گا، تہتر (۷۳) فرقے بنیں گے ایک ناجی اور بقیہ ناری ہونگے، ناجی فرقے کی علامت بیان فرمائی (ماانا علیہ واصحابی) اس معیار کو سامنے رکھتے ہوئے دیکھا جا سکتا ہے کہ کون حق پر ہے کون ضلالت پر ہے؟ کون سیدھی راہ پر ہے کون گمراہی کے دھانے پر؟ کون جنتی ہے کون جہنمی ہے؟

اور یہ بھی کسی سے مخفی نہیں ہے کہ اہل حق کے مقابلے میں جتنے فرقے وجود میں آئے سب کی بنیاد ''صحابہ پر عدم اعتماد'' ہے، مثلاً رضا خانیوں کا صحابہ پر عدم اعتماد تھا تبھی تو اذان میں اضافہ کر دیا علاوہ ازیں کئی ساری بدعات ایسی ہیں جنکا صحابہ کے دور میں تو دُور کی بات ہے بعد میں تابعین کے دور میں بھی ان کے نشانات نہیں ملتے، اس سلسلہ کی ایک کڑی غیر مقلدین کی بھی ہے جو کہ ضلالت کی تاریک وادیوں کو عبور کر کے گمراہی کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں ان کی بنیاد بھی صحابہ پر عدم اعتماد ہے، جس کے نتیجے میں ۲۰ رکعت تراویح کو حضرت عمر کی بدعت قرار دیا (نعوذ باللہ) حضرت عثمان پر خود ساختی کا الزام لگایا اور جمعہ کی دوسری اذان سے محروم ہو گئے، اس طرح طلاق ثلثہ کے تین ہونے کا انکار کیا تو نتیجہ میں زنا کا دروازہ کھول دیا وغیرہ وغیرہ۔ اسی سلسلہ کی ایک کڑی جناب مودودی صاحب ہیں جو صحابہ پر اعتماد نہ کرنے کی وجہ سے فاستحبو العمی علی الھدی کے مصداق بن گئے۔ اسی طرح منکرین حدیث بھی صحابہ پر اعتماد نہ کرنے کی وجہ سے گمراہ ہوئے۔

من جملہ گمراہ فرقوں میں سے ایک خطرناک اور گمراہ ترین فرقہ جس کو امت مسلمہ کے جید علما کرام اور جمہور اہل سنت نے خارج عن الاسلام قرار دیا ہے وہ ہے ابن سبا کا ٹولہ (شیعہ)۔ جو ایرانی انقلاب سے قبل اتنا کھل کر سامنے نہیں آیا، ان کے عقائد مخفی تھے، ان کے درمیان کسی قسم کی تفریق نہ تھی، لیکن مرورِ زمانہ سے جب خمینی کا دور آیا تو اس نے ایک انقلاب پیدا کیا جو کہ ''ایرانی انقلاب'' کے نام سے موسوم ہوا۔ اپنے مخفی کفریہ عقائد پر اسلام اور حبِّ اہل بیت کا لبادہ اوڑھ کر امت کے سامنے پیش کیا تو امت مسلمہ کے جید علماء کرام نے اس فتنہ کی سازش کو بھانپ لیا اور اس میں صحابہ دشمنی کی بو کو محسوس کر لیا۔ ان کے عقائد کو توہین صحابہ پر مبنی دیکھا۔ لہٰذا ان کے عقائد کفریہ کی بنا پر خروج عن السلام کا حکم لگا دیا۔ اس فتنے کی بنیاد بھی عدم اعتماد علی الصحابہ ہے۔ الغرض ہر فتنہ کی بنیاد عدم اعتماد علی الصحابہ ہے یعنی صحابہ کو معیارِ حق تسلیم نہ کرنا۔

انہیں ضالین کی صف کے ایک فرد جاوید غامدی صاحب بھی ہیں جنہوں ضلالت کا بقیہ ملبہ اپنے سر لیا ہے۔ جو تا حال اندرونِ پاکستان جناب محترم عمار ناصر صاحب کی صورت میں موجود ہیں اور یہی شخصیت اس مضمون کا موضوع بھی ہے۔

یہ بھی ایک مضحکہ خیز بات ہے کہ ہر گمراہ فرقہ نام سے ایسے لگتا ہے جیسے اسلام کا اصلی علمبردار یہی ہے، رضاخانی اپنے آپ کو ''عاشقِ رسول'' کے نام سے موسوم کرتے ہیں، حالانکہ اُن کے نظریات کی بنا پر اگر اُن کو گستاخِ رسول کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ غیر مقلدین اپنے آپ کو ''اہل حدیث'' کے نام سے موسوم کرتے ہیں، جبکہ ان کے دل بغض آئمہ اور مجتہدین سے جلے ہوئے ہیں، اسی طرح ''اہل قرآن'' کے نام سے ایک گمراہ فرقہ ہے جو درحقیقت ''منکرین حدیث'' ہیں۔ روافض، منکرین صحابہ و منکرین ختم نبوۃ بھی ''محبین اہل بیت'' کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ تمام فرقے درحقیقت نام کے مسلمان اور کام کے انگریز کے ایجنٹ، اسلام اور اہل اسلام کے دشمن اور انگریز کی جھولی میں پرورش پانے والے کالے سانپ ہیں جو کہ مسلسل کاٹ رہے ہیں۔ ان میں سے جو قابل ذکر ہیں وہ ہے ڈاکٹر جاوید غامدی اور اس کے پیروکار محترم عمار ناصر صاحب ہیں۔ ذیل میں عمار ناصر کے چند عقائد کا ذکر کیا جائے گا، جن کو پڑھ کر خود فیصلہ کر لیں کہ غامدی مذہب اور محترم عمار ناصر صاحب اسلام کے لبادہ میں قرآن و حدیث کے نام پر کس کی بانسری بجا رہے ہیں۔

رجم کی شرعی حیثیت سے انکار:

عمر احمد عثمانی، امین احسن اصلاحی اور جاوید احمد غامدی کی پیروی میں عمار صاحب نے محصن کی حد رجم کا انکار کر کے انتہائی ''دلیری'' کا ثبوت دیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''سورۃ النساء کی آیت نمبر ۱۵ میں زنا کے جن عادی مجرموں کے لیے عبوری سزا بیان کی گئی ہے۔

ان کا جرم چونکہ زنا کے عام مجرموں کے مقابلے میں کئی گناہ زیادہ سنگین تھا۔ اوران میں بالخصوص یاری آشنائی کا تعلق رکھنے والے بدکار جوڑے اس عرصے میں توبہ واصلاح کا موقع دیئے جانے کے باوجود اپنی روش سے باز نہیں آئے تھے۔ اس لیے عام مجرموں کے برخلاف زنا کے یہ عادی مجرم بدیہی طور پر اضافی سزاؤں کے بھی مستحق تھے، چانچہ ان کے بارے میں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ہدایت کی گئی کہ سو کوڑوں کے ساتھ ساتھ ان کی جلاوطنی اور رجم کی اضافی سزائیں بھی نافذ کی جائیں۔ صدرِ اول سے اہل علم کی غالب ترین اکثریت کا نقطہ نظر یہ رہا ہے کہ عبادہ بن صابت کی روایت اوراس کے علاوہ جلاوطنی اور رجم کی سزاؤں سے متعلق دیگر روایات زنا کے عام مجرموں ہی سے متعلق تھے اور متعدد روایات سے بظاہر اس رائے کی تائید ہوتی ہے۔ اس رائے کے مطابق ان اضافی سزاؤں کو ہر طرح کی زانی پر قابل اطلاق مانا جائے تو یہ بات بظاہر قرآن مجید کے مدعا سے متجاوز قرار پاتی ہے''۔ (حدود وتعزیرات۔ ص۔۱۳۷ تا ۱۳۸)

مرتد کی شرعی سزا کا انکار:

ارتداد کی سزائے موت پر امت کا اجماع ہے۔ جب کہ عمار خان صاحب ناصؔر نے ''بہادری'' دکھاتے ہوئے دورِ حاضر میں ارتداد پر سزائے موت نافذ نہ کرنے کے ریاستی قوانین کو بالکل درست قرار دیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

''دورِ جدید کی بیشتر مسلم ریاستوں میں ارتداد پر سزائے موت نافذ نہ کرنے کا طریقہ اختیار کیا گیا جو ہماری رائے میں حکم کی علت کی رو سے بالکل درست ہے۔'' (حدود وتعزیرات''، ص ۲۲۸)

آگے لکھتے ہیں:

''منصوص احکام کے ساتھ ساتھ مستنبط اور اجتہادی قوانین واحکام کی وہ عملی صورت جو تاریخ اسلام کے صدرِ اول میں اختیار کی گئی، مذہبی زاویہ نگاہ سے اس کے آئیڈیل اور معیار ہونے کی ہونے کی حیثیت پر سوالیہ نشان کھڑا ہوجاتا ہے۔'' (حدود وتعزیرات، ص، ۱۰۵)

اجماع کا انکار:

دین کے اُصول اربعہ میں سے ''اجماع شرعی'' کا تیسرا نمبر ہے۔ لیکن عمار خان صاحب بے انتہا ''شجاعت'' کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کے بھی منکر ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:

''یہ حقیقت اپنی جگہ بالک واضح ہے کہ علمی وفقہی تعبیرات کے دائرے میں اجماع کا تصور ایک علمی ''افسانہ'' ہے جس کا حقیقت کے ساتھ دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔''

(مفتی عبدالواحد کی تنقیدات کا ایک جائزہ، ص، ۱۳)

ایک اور جگہ اجماع کی حجیت کا انکار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''صرف یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ: جب کسی صاحب علم کو سابقہ آراء و توجیہات پر اطمینان نہ ہو تو اسے اس بات کا پابند کرنا کہ وہ اجماع ہی کے دائرے میں اپنے آپ کو ضرور مطمئن کرنے کی کوشش کرے، ایک لایعنی بات ہے۔'' (مفتی عبدالواحد کی تنقیدات کا ایک جائزہ، ص۔۲۱)

صحابہؓ پر طعن و تشنیع:

امت مسلمہ کا عقیدہ اور ایمان ہے کہ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اور جماعت صحابہ اعظم شعائر اللہ میں سے ہیں۔ اور ہر قسم کی تنقید، توہین و تنقیص سے بالاتر ہیں۔ معمولی توہین و تنقیص یا تنقید بھی دائرہ اسلام سے خارج کر دیتی ہے۔ جناب خان صاحب کے ''بہادر قلم'' سے صحابہ کرام جیسی مقدس و مطہر جماعت بھی محفوظ نہ رہ سکی۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ پر طعن و تشنیع کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ممکن ہے مولانا محترم کا یہ مفروضہ منافقین کے بارے میں درست ہو۔ لیکن جہاں تک مخلص اور خداترس اہل ایمان کا تعلق ہے تو مستند روایات کی رو سے وہ ایسا (زنا بالجبر) کرنے کی پوری پوری جرأت رکھتے تھے۔'' (مفتی عبدالواحد کی تنقیدات کا ایک جائزہ، ص،۴۲)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

''اس معاشرے میں آپ کے تربیت یافتہ اور بلند کردار صحابہؓ کے علاوہ منافقین و تربیت سے محروم کمزور مسلمانوں کی بھی ایک بڑی تعداد موجود تھی جو مختلف اخلاقی اور معاشرتی خرابیوں میں مبتلا تھی۔ اسی طرح کے گروہوں میں نہ صرف پیشہ وارانہ بدکاری اور یارآشنائی کے تعلقات کی مثالیں پائی جاتی تھیں بلکہ مملوکہ لونڈیوں کو زنا پر مجبور کر کے ان کے ذریعے سے کسب معاش کا سلسلہ بھی جاری وساری تھا۔'' (تنقیدات کا ایک جائزہ، ص،۴۳)

یہ اور اس طرح کے دیگر انحراف کے باوجود ''حدود تعزیرات'' نامی اس کتاب پر مولانا زاہد الراشدی صاحب نے دیباچہ لکھا ہے اور اپنے بیٹے کے اس کاوش کو سراہا ہے ان کا دیباچہ الشریعہ میں بھی شائع ہوا ہے، اگر اس میں غور وفکر کیا جائے تو اس کی پوری عبارت ڈانواں ڈول نظر آتی ہے۔

ان کی تعبیرات میں پیچ وخم ہے، اس میں حفظ ماتقدم کے لیے سابقے اور لاحقے کے طور پر شرطیہ جملوں اور استثنائی تعبیرات کا سہارا لیا گیا ہے۔ اس غلط روش کی روک تھام کی بجائے آخر میں مولانا نے اپیل کی ہے کہ وہ ان مسائل میں بحث ومباحثہ کو آگے بڑھائیں۔ حالانکہ یہ مسلمہ اجماعی مسائل ہیں، اجتہادی نہیں ہیں۔ اس کے باوجود مولانا لکھتے ہیں:

''لعان دور نبوی کی عملی مجبوری تھی:

قرآن مجید کے واضح حکم ''لعان'' کے مقابلے میں دور حاضر کی طبی تحقیقات کو کافی قرار دیا ہے۔

قدیم دور میں بچے کی نسب کی تحقیق کا کوئی یقینی ذریعہ موجود نہیں تھا، چنانچہ لعان کے سوا اس معاملے کا کوئی حل ممکن نہیں تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بیوی پر الزام لگانے کی صورت میں لعان کا طریقہ اختیار کر کے بچے کے نسب کو عورت کے شوہر سے منقطع کرنا بجائے خود مقصود نہیں، بلکہ عملی مجبوری کا نتیجہ تھا، اب اگر دور جدید میں طبی ذرائع کی مدد سے بچے کے نسب کی تحقیق یقینی طور پر ممکن ہے۔ اور اپنے نسب کا تحفظ بجائے خود بچے کا ایک جائز حق بھی ہے تو بیوی کے کہنے پر یا بڑا ہونے کے بعد بچے کے مطالبے پر ان ذرائع سے مدد لینا اور اگر ان کی رو سے بچے کا نسب اپنے باپ سے ثابت قرار پائے تو قانونی لحاظ سے اس کا جائز بیٹا تسلیم کرنا ہر لحاظ سے شریعت کے منشاء کے مطابق ہوگا۔''

(حدود و تعزیرات، ص، ۲۴۸ تا ۲۴۹)

عورت کی نصف دیت کا انکار:

خان صاحب بہادر عورت کی نصف دیت جیسے اجماعی مسئلے کے بھی پوری جرأت سے منکر ہیں، لکھتے ہیں:

''اصول فقہ کے ایک طالب علم کو بحث میں فقہائے احناف کے اصولی منہج میں باقاعدگیوں کے اس سوال سے بھی سابقہ پیش آتا ہے جس کی مثالیں احناف کی آرا میں جابجا پائی جاتی ہیں۔ یہ بات ناقابل فہم ہے کہ احناف مسلم اور غیر مسلم کے باہمی قصاص اور غیر مسلم کی دیت کے معاملے میں قرآن مجید کے الفاظ کے عموم کی روشنی میں صحابہؓ کے فتاوی اور فیصلوں اور قانونی تعامل کو نظر انداز کرتے یا ان کی توجیہ و تاویل کا طریقہ اختیار کرتے ہیں، لیکن عورت کی دیت کے معاملے میں قرآن مجید کے عموم، صحیح و صریح احادیث اور عقل و قیاس کو نظر انداز کرتے ہوئے نہ صرف عورت کی دیت کو مرد سے نصف قرار دیتے ہیں۔ بلکہ جراحات میں مرد اور عورت کے مابین سرے سے قصاص ہی کے قائل نہیں۔'' (حدود و تعزیرات، ص، ۱۰۶، ۱۰۵)

صحابہ کرامؓ معیار حق نہیں:

اس میں مزید ''بہادری'' دکھاتے ہوئے خان صاحب نے لکھا ہے کہ:

''صحابہ کرامؓ کا عورت کی نصف دیت پر اجماع کرنا زمانہ جاہلیت کے معاشرتی تصورات اور رسم و رواج سے متاثر ہونے کی بناء پر تھا اور اس سلسلے میں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوشش صحابہ میں بر آور نہ ہوسکیں۔ لہذا اس کی وجہ سے صحابہ کرامؓ کے اٹیڈیل اور معیار ہونے پر انہوں نے سوالیہ نشان کھڑا کیا ہے۔

اگرچہ عورت کے بارے میں جاہلی تصورات اور رسوم کی اصلاح کر دی گئی تاہم بعض تصورات جن میں عورت کی جان کی حرمت اور قدر و قیمت کے حوالے سے زیر بحث تصور بھی شامل ہے۔ کسی اصلاح کی کوشش نتیجہ خیز اور موثر نہ ہوسکیں اور صحابہ کرامؓ و تابعین کو معروضی و معاشرتی تناظر میں ایسے

قوانین تجویز کرنا پڑے، جن میں انہیں سابقہ تصورات کی عملی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہو''۔

(حدود وتعزیرات، ص، 105)

عمار خان ناصر صاحب کی کتاب ''جرأت و بہادری'' کا ''عظیم نمونہ'' اُن کی کتاب ''حدود وتعزیرات'' ہے، جس میں انہوں نے درجِ ذیل امور تحریر فرما کر ''شجاعت'' کی داستان رقم کی ہے۔

۱)......صحابہ کرامؓ کے معیارِ حق ہونے سے انکار۔ ۲)......مرتد کی شرعی سزا کا انکار۔
۳)......صحابہ کرامؓ پر طعن وتشنیع ۴)......اجماعِ امت کا انکار۔
۵)......لعان کو دورِ نبوی کی مجبوری قرار دینا۔ ۶)......رجم کی شرعی حیثیت کا انکار
۷)......عورت کی نصف دیت کا انکار ۸)......تبلیغی جماعت کو نقصان دہ قرار دینا۔

ایسے اجماعی عقائد سے انحراف کرنے والا کیا اب بھی اہل السنہ والجماعۃ میں شامل ہوگا؟ شریعت کی رو سے سیدھا راستہ تو صحابہ کا ہے۔ وہ سرے سے جناب کے لیے معیار ہی نہیں، تو ہدایت وراہ نمائی کہاں سے ملے گی؟ جناب سے مؤدبانہ التماس ہے کہ شجاعت وبہادری کی نئی داستانیں رقم کرنے کی بجائے اکابر کی تحقیقات پر اعتماد کریں، اپنے جدِ امجد کا دامن ہی پکڑ لیں، ان شاء اللہ سیدھے جنت میں جائیں گے۔ نہ ''ضال'' کا مصداق ہوں گے نہ ''مضل'' کا۔ خدا تعالیٰ توفیقِ عمل نصیب کرے۔ آمین

حسین احمد مدنی......متخصص: دار العلوم مدنیہ، بہاول پور......۱۰/۱۰/۲۰۱۲......۲۲/۱۱/۱۴۳۳

مولانا مفتی ابولبابہ شاہ منصور کا شکریہ

دار العلوم مدنیہ بہاول پور کے مدیر وشیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی عطاء الرحمٰن مدظلہم نے فرمایا:

''مفتی ابولبابہ صاحب جو عمار خان ناصر کی شائع کردہ کتاب کی حقیقت کھول رہے ہیں، اس سے بہت فائدہ ہوا ہے، میں نے بھی وہ کتاب مکمل پڑھی تھی، کئی جگہ ذہن کھٹکا کہ یہ کیا؟ لیکن چونکہ ذہن یہ بنا ہوا تھا کہ امیر صحیح آدمی تھا، اس لیے دوسری طرف توجہ نہیں گئی۔ مفتی صاحب کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے، بہت اچھا لکھ رہے ہیں۔ خاص طور پر انہوں نے جو یہ بات کی ہے کہ: ''انگریزوں کو ایک مسلمان مجاہد سے کیا ہمدردی؟ اور کیسی عقیدت؟ انہوں نے تو سچے مجاہد کو قبر سے نکال کر سمندر میں ڈال دیا تھا اور شیخ اسامہ بن لادن شہید رحمہ اللہ کی قبر تک نہیں بنانے دی اور ان کی لاش کو سمندر کے حوالے کر دیا۔'' اس سے دل کو مفتی صاحب کی بات کا پختہ یقین ہوا کہ واقعی امیر عبد القادر سچا مجاہد نہیں تھا بلکہ انہی کا اپنا بندہ تھا۔''

عبداللہ عاجز

شاہیں کا جہاں اور ہے کرگس کا جہاں اور

مفتی ابولبابہ شاہ منصور صاحب کے ''ضربِ مؤمن'' میں شائع ہونے والے مضامین کے بعد جناب عمار خان ناصر صاحب نے ان کے جوابات کے ضمن میں اعترافات وانکشافات کا جو سلسلہ شروع کیا ہے اس نے ان کے دامِ الفت کے شکار بہت سے لوگوں کو انگلیاں دانتوں میں دبانے پر مجبور کر دیا ہے۔ ''الشریعہ'' جون کے شمارے میں محترم نے مجاہد اسلام اسامہ بن لادن شہید رحمہ اللہ کے بارے میں جو زبان استعمال کی ہے اور ان کی شخصیت کو جس طرح مسخ کرنے کی کوشش کی ہے اس نے بہت سی حقیقتوں سے پردہ ہٹا دیا ہے۔ جناب عمار خان ناصر نے جس انداز سے شیخ اسامہ بن لادنؒ کو دشمن کی عام آبادی کو نشانہ بنانے والا، اس کیلئے احمقانہ شرعی جواز گھڑنے والا، اپنی ذات کو مسلمانوں کے مال وجان پر ترجیح دینے والا، اپنی جان کی قربانی دینے کے بجائے پوری کی پوری قوم کو جنگ کے بے پناہ مصائب وآلام کا شکار بنا دینے والا، میدانِ جنگ سے فرار ہو کر پڑوسی ملک میں پناہ لینے والا کہا ہے، اور ان کے وجود کو ''نامسعود'' کہنے کی جسارت کرتے ہوئے انہیں دو مسلمان ملکوں میں قتل وغارت اور فساد کی آگ بھڑکانے کا ذمہ دار قرار دیتے ہوئے بیوی بچوں سمیت کسی پر فضا مقام پر خفیہ سکونت اختیار کرنے کا طعنہ دیا ہے اس نے کم از کم یہ واضح کر دیا ہے کہ جناب عمار خان ناصر کس کی زبان بول رہے ہیں اور امیر عبدالقادر الجزائری کی شخصیت کا تعارف کروا کر کس قسم کے جہاد کو فروغ دینا چاہتے ہیں۔ مفتی ابولبابہ صاحب نے جناب عمار خان ناصر کی نجانے کون سی رگ پر ہاتھ رکھا ہے کہ وہ اپنے دل ودماغ کی تمام تر نجاستیں اگلتے چلے جا رہے ہیں۔

عمار خان صاحب! خاطر جمع رکھیے! شہزادگی کی زندگی کو لات مار کر دنیا کے تمام تر عیش وآرام سے دست بردار ہو کر اپنی زندگی کو پہاڑوں اور جنگلوں کی نذر کر دینے اور اپنا سب کچھ امتِ مسلمہ پر قربان کر کے آخری وقت میں امیر عبدالقادر کی طرح ہتھیار ڈال کر اپنے ماتھے پر رسوائی کا داغ لگانے کی بجائے شجاعت اور بہادری کے ساتھ دشمن سے لڑتے ہوئے جامِ شہادت نوش کرنے والے شیخ اسامہ بن لادن کو جناب کی یہ ہرزہ سرائی کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

شیخ اسامہ بن لادن اور عمار خان ناصر الغامدی پر ہم اقبال کے الفاظ میں یہی تبصرہ کر سکتے ہیں:

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک جہاں میں　　شاہیں کا جہاں اور ہے کرگس کا جہاں اور

اب دیکھنا یہ ہے کہ جو حضرات مفتی ابولبابہ صاحب کے مضمون کے لب ولہجہ پر چیں بجبیں ہو رہے تھے، وہ جناب عمار خان ناصر صاحب کے اس اعلیٰ تہذیب واخلاق پر ان کو کیا داد دیتے ہیں۔